فہرست

شذرات	استحکام پاکستان	منظور الحسن	۲
قرآنیات	البقرہ (۲: ۲۲۲-۲۲۳)	جاوید احمد غامدی	۷
معارفِ نبوی	وفد عبد القیس کے سوالات	زاویۂ فراہی	۱۱
	رسول اللہ کی ایک دعا۔ دل کا اضطراب	طالب محسن	۲۰
دین و دانش	قانون معاشرت (۱۳)	جاوید احمد غامدی	۲۷
نقطۂ نظر	اہل جاہلیت کے دینی شعائر	حافظ محمد ابراہیم شیخ	۳۹
یسئلون	نبی کریم کا جہاد و قتال	محمد بلال	۵۱
اصلاح و دعوت	متفرق مضامین	مولانا امین احسن اصلاحی۔ منظور الحسن۔ ساجد حمید۔ محمد اسلم نجمی۔ محمد وسیم اختر مفتی۔	۵۵
تبصرۂ کتب	''اسلام اور ریاست''	عبد الرؤف	۶۵
ادبیات	غزل	جاوید احمد غامدی	۷۱

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

استحکام پاکستان

۱۹۴۷ء میں ہم نے سوچا تھا کہ ہم کرۂ ارض پر ایک ایسی سلطنت قائم کر رہے ہیں جہاں اسلام اپنے پورے فلسفے اور قانون کے ساتھ نافذ العمل ہو گا۔ چشم عالم ایک مرتبہ پھر اس عدل اجتماعی کا نظارہ کرے گی جو چودہ صدیاں پہلے خلافت راشدہ کی صورت میں ظہور پزیر ہوا تھا۔ اس کا وجود ملت اسلامیہ کے لیے مرکزی ادارے کا کردار ادا کرے گا اور غیر مسلم دنیا کے لیے اسلام کی مشہود دعوت قرار پائے گا۔ اس کے حدود میں مسلمانوں کی ترقی کی راہیں کسی دوسری قوم کے تعصب سے مسدود نہیں ہوں گی۔ وہ باہم متحد ہو کر اسے اسلام کا ایک مضبوط قلعہ بنا دیں گے اور دیگر مسلمانان عالم کے لیے سہارے اور تعاون کا باعث ہوں گے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم ایک ایسی ریاست تشکیل دے رہے ہیں جو دور جدید میں فلاحی ریاست کے تمام تر تصورات کی آئینہ دار ہو گی۔ جہاں تفریق و امتیاز کے بغیر شہریوں کو ان کے حقوق میسر ہوں گے اور لوگ یکساں طور پر تعلیم، روزگار، صحت اور امن عامہ کی سہولتوں سے بہرہ مند ہوں گے۔ ہمارا تصور تھا کہ ہم ایک ایسا ملک معرض وجود میں لا رہے ہیں جس کا نظم سیاسی جمہوری اقدار پر مبنی ہو گا۔ اس کے عوام اپنا اجتماعی نظام خود تشکیل دیں گے اور انھیں اس میں تبدیلی کرنے اور اپنے حکمرانوں کے تقرر و تنزل کا پورا اختیار حاصل ہو گا۔

آج پاکستان کو قائم ہوئے نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کا وجود سلامت ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارے خواب آج بھی تشنۂ تعبیر ہیں۔ اسلام کا عدل اجتماعی اور خلافت راشدہ تو افلاک کی باتیں ہیں، ہم ان ارضی اخلاقیات تک بھی رسائی حاصل نہیں کر سکے جو دنیا میں متفق علیہ ہیں اور جن پر اسلام سے نابلد اقوام بھی صدیوں سے عمل پیرا ہیں۔ یہ سلطنت اسلام کی تجربہ گاہ اور پھر اس کا مشہود نمونہ تو کیا بنتی، اسلام کی حیثیت عرفی کو مجروح کرنے کا باعث ضرور ہوئی ہے۔ اس کے مکینوں نے اپنے قول و عمل سے اسلام کا جو تعارف پیش کیا ہے، اس کی روشنی میں اہل دنیا اسے ایک متشدد، غیر عقلی، جذباتی اور عصر حاضر سے غیر ہم آہنگ مذہب تصور کرتے ہیں۔ فلاحی ریاست کے تمام تصورات بکھر چکے ہیں۔ غربت اپنی انتہا کو چھو رہی ہے۔ ملکی معیشت دن بہ دن رو بہ زوال ہے۔ بیشتر آبادی کے لیے دو وقت کے کھانے کا

حصول مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ تعلیمی پس ماندگی کا یہ عالم ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد ملازمت کا حصول بن گیا ہے۔ درس گاہوں کی حالت یہ ہے کہ فلسفہ، ادب، تاریخ، عمرانیات، اقتصادیات، ریاضی، سائنس، آرٹ اور دیگر علوم وفنون کے وہ نصابات جن سے دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کئی عشرے پہلے گزر کر انھیں متروک قرار دے چکی ہیں، وہ ان میں کسب فیض کا ذریعہ ہیں۔ لوگوں کی اکثریت کو صحت کی ابتدائی ضرورتیں بھی میسر نہیں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ فلاحی ریاست کے حوالے سے ہمارا سفر آج بھی اتنا ہی باقی ہے جتنا آج سے پچاس سال پہلے تھا۔ جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ہم شاید چند دنوں کے لیے بھی اس کا تجربہ نہیں کر سکے۔ نیچے سے لے کر اوپر تک ہماری جمہوری سیاست محض مفادات کی سیاست واقع ہوئی ہے۔

یہ حال ہے جو ہمارے خوابوں اور ہمارے تصورات کا ہوا ہے۔ ہمارے اجتماعی وجود کی یہ حالت اس قدر نمایاں ہے کہ کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ، یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت حال کا سبب کیا ہے؟ کیا یہاں افرادی وسائل کی کمی ہے، کیا یہاں بے صلاحیت لوگ بستے ہیں، کیا یہاں کے لوگوں کو نفاذ اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، کیا یہاں کے باشندے اپنی اور ملک کی ترقی کی خواہش سے محروم ہیں، کیا یہاں کے شہری نظم سیاسی کو اپنی منشا کے مطابق چلانے کی تمنا نہیں رکھتے؟ یا پھر یہ خطۂ ارضی آفات سماوی کا شکار ہے، یا اس کی سرزمین قدرتی وسائل سے خالی ہے؟ ان سوالوں کے جواب میں ہر شخص کہے گا کہ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ یہ ملک افرادی وسائل سے مالا مال ہے۔ قدرتی وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ اس سرزمین میں زراعت اور معدنیات کے حوالے سے ایسا تنوع اور تناسب پایا جاتا ہے کہ دنیا کے کم ممالک ایسی تقسیم کے حامل ہیں۔ اس کے باسی صلاحیت اور جاں فشانی میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مسلسل جدوجہد سے ایک ایسے ملک کو قائم کیا جسے دنیا ناممکن قرار دے رہی تھی۔ ملک وملت کی بقا کے لیے جب بھی کسی نے صدا لگائی ہے، اس کے افراد نے اپنی جانیں تک پیش کرنے سے گریز نہیں کیا۔ جمہوریت کے نعرے پر ہمیشہ لبیک کہا ہے۔ اسلام سے محبت کا یہ عالم رہا ہے کہ اگر کسی طالع آزما نے بھی اسلام کا نعرہ لگایا تو اس پر بھی لبیک کہنے سے دریغ نہیں کیا۔

اگر معاملہ یہ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ۵۵ برس گزرنے کے باوجود ہم منزل تک رسائی تو کیا حاصل کرتے، نشانات منزل ہی کھو بیٹھے ہیں۔ اس تمام صورت حال کا صرف ایک سبب ہے اور وہ دینی اور دنیوی امور میں ہماری جہالت ہے۔

ہم اس ملک کو اسلام کی تجربہ گاہ نہیں بنا سکے تو اس کی وجہ دین کے بارے میں ہماری جہالت ہے۔ اس جہالت کا عالم یہ ہے کہ ہمارے عوام کا تصور دین مخصوص مکاتب فکر کی فقہی آرا کی پیروی تک محدود ہے۔ کہیں کلمات نماز کے بلند آہنگ یا کم آہنگ ہونے کا مسئلہ ہے، کہیں ازار کے ٹخنوں سے اوپر یا نیچے ہونے کا معاملہ ہے، کہیں داڑھی کے لمبا یا چھوٹا ہونے کا سوال ہے، کہیں عمامے اور ٹوپی کی جنگ ہے۔ خواص کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی غلط تعبیرات سامنے آنے کی وجہ سے اسے ایک قصۂ پارینہ سمجھ کر دور جدید کے تقاضوں سے غیر ہم آہنگ قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک علمائے دین کا تعلق ہے تو ان کی اکثریت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لوگوں کو سرگرم جنگ رکھنے پر مصر ہے۔ انھوں نے اس دوران میں کبھی اس کے لیے کوشش نہیں کی کہ لوگوں کو دین کے حقیقی شعور سے آگاہ کریں، ان کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کریں اور انھیں حالات کے لحاظ سے حکمت عملی ترتیب دینے کی ترغیب دیں۔ اس زمانے میں بالخصوص ان کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اسلام کے بارے میں جدید ذہن کے سوالات کا جائزہ لیتے اور عصر حاضر کے اسلوب میں ان کے تسلی بخش جوابات مرتب کرتے۔ المیہ یہ ہے کہ انھوں نے اس میدان میں علمی و فکری کام کرنے کے بجائے اپنی تمام تر توجہ سیاست کی حریفانہ کشمکش اور معاندانہ قوتوں کے خلاف جذباتی فضا قائم کرنے پر مرتکز رکھی ہے۔

اگر ہم اسے ایک فلاحی ریاست نہیں بنا سکے تو اس کی وجہ دنیوی امور کے بارے میں ہماری جہالت ہے۔ اپنے افراد کی عمومی تعلیم کے بارے میں ہم نے ہمیشہ غفلت اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہمارے تمام طبقات بلا استثنا جہالت کا شکار ہیں۔ فلاحی ریاست کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ معاشرے کا اجتماعی نظام عادل، شفاف اور زندگی کی سہولتوں سے آراستہ ہو۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ہم نے کبھی منصوبہ بندی نہیں کی۔ معاشرے کی ترقی کے لیے کن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے، قانون پسندی کی کیا اہمیت ہے، اعلیٰ انسانی اقدار کس طرح اداروں میں ڈھلتی ہیں، رفاہی ادارے کس طریقے سے خدمت انجام دیتے ہیں، شہریوں کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں، ارباب حکومت کو کیا فرائض انجام دینے ہوتے ہیں، صحت، تعلیم اور روزگار کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے حکومت کو کیا منصوبہ بندی کرنا ہوتی ہے اور عوام کیسے اس عمل میں شریک ہوتے ہیں، امن عامہ کے مسائل کو کیسے حل کیا جاتا ہے، ظلم و عدوان کے خاتمے اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے کیسے لائحۂ عمل تشکیل دیا جاتا ہے؟ یہ مسائل ہمارے فکر و عمل کا کبھی حصہ نہیں بن سکے۔ اس زمانے میں کسی قوم کی مادی ترقی کا انحصار سرتا سر اس بات پر ہے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں کس رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے۔ دفاع، صنعت، زراعت اور رسل و رسائل کے معاملات میں سائنس اور ٹیکنالوجی ہی کی بنیاد پر ترقی کی جا سکتی ہے۔ مگر ہماری حالت اس میدان میں نہایت ابتر ہے۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ہماری غربت کا اصل سبب جدید سائنسی علوم سے بے اعتنائی ہے۔ فلاحی ریاست کا تصور امن عامہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اس کے قیام کے لیے ضروری تھا کہ ہم عام اخلاقیات کے شعور سے بہرہ مند ہوں۔ ہماری تربیت ہونی چاہیے تھی کہ ایک شہری کی حیثیت سے ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں، دوسروں کے حقوق کس طرح ادا کیے جاتے ہیں، قانون کی پاس داری کے فوائد اور قانون شکنی کے کیا نقصانات ہیں، دھوکا، فریب، عناد، ہٹ دھرمی اور حق تلفی سے کس طرح انسانی شخصیات مسخ ہوتی اور پورے معاشرے کے لیے امن و امان کا مسئلہ پیدا کر دیتی ہیں۔ ان پہلوؤں سے ہم آج تک نہ اپنی تربیت کر سکے اور نہ اس مقصد کے لیے کوئی لائحۂ عمل تشکیل دے سکے ہیں۔

اگر ہم یہاں جمہوری اقدار کو مستحکم نہیں کر سکے تو اس کی وجہ سیاسی معاملات کے بارے میں ہماری جہالت ہے۔ ہمارے عوام کی اکثریت سیاسی شعور سے بے گانہ ہے۔ جمہوریت عوام کی سیاسی عمل میں بھرپور شرکت کا نام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے

www.javedahmadghamidi.org

کہ قوم کے افراد باہمی مشاورت سے اپنی ضرورتوں کا تعین کرتے، انھیں پورا کرنے کے لیے لائحۂ عمل تشکیل دیتے، اپنی تنظیم کرتے، تقسیم کار کے اصول پر اپنی ذمہ داریاں بانٹتے، اس مقصد کے لیے ادارے اور انجمنیں تشکیل دیتے اور پوری تن دہی کے ساتھ ملکی تعمیر میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ قوم کا ہر فرد اس کام میں پورے شعور کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ہمارا معاملہ یہ ہے کار پرداز عناصر عوام کو فریب دیتے اور عوام بڑی آسانی سے ان کے فریب میں آ جاتے ہیں۔ جس فرد یا گروہ کے ہاتھ میں اقتدار آتا ہے، وہ اس پر بالجبر قابض رہنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے جمہوری اداروں کی پامالی کی پروا بھی نہیں کرتا۔ ایسے موقعوں پر عوام نہ موثر احتجاج کر پاتے اور نہ تبدیلی حالات کے لیے صحیح خطوط پر کوئی جدوجہد کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں نکلتا کہ جمہوری ادارے بننے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتے ہیں اور ملک پر سیاسی عدم استحکام کی فضا طاری رہتی ہے۔

اس تناظر میں ہم سمجھتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے خواب کی حقیقی تعبیر کے لیے واحد راستہ تعلیم ہے۔ جب تک ہم دینی و دنیوی اعتبار سے اپنی جہالت سے چھٹکارا نہیں پا لیتے اور اس حقیقت کا ادراک نہیں کر لیتے کہ موجودہ زمانے میں تعلیم و تعلم ہی سے ترقی کے منازل طے کیے جا سکتے ہیں، اس وقت تک ہمارا یہ خواب، خواب ہی رہے گا۔

______ منظور الحسن

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"بعض لوگ اپنے دین داری کے کاموں کو بڑی اہمیت دے بیٹھتے ہیں اور اپنے زعم میں وہ اللہ اور رسول کے محسن بن جاتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی جو اپنے رب کے حضور میں کوئی پیش کرتا ہے، کیا اس کی اپنی ہوتی ہے؟ اگر اس نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں لٹا دیا تو یہ مال خدا ہی کا دیا ہوا تھا۔ اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ یہ اس نے اپنی صلاحیت و قابلیت سے حاصل کیا تھا تو اسے یہ بھولنا نہ چاہیے کہ یہ قابلیت و صلاحیت بھی کوئی اپنے گھر سے نہیں لاتا، بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی بخشتا ہے۔ مال تو درکنار اگر کوئی شخص اپنی جان بھی، جس سے بڑی انسان کے پاس کوئی اور چیز نہیں ہے، اللہ کی راہ میں قربان کر دے تو اس پر بھی فخر کے بجائے اعتراف تقصیر ہی کرنا چاہیے۔" (مولانا امین احسن اصلاحی، تزکیۂ نفس ۲/ ۹۲۔۹۳)

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة البقرة

(۴۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ، قُلْ : هُوَ اَذًى ، فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْـمَحِيْضِ ، وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ، فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ

اور (نکاح کا ذکر ہوا ہے تو) وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ (عورتوں کے) حیض کا کیا حکم ہے[۵۸۷]؟ کہہ دو: یہ ایک طرح کی نجاست ہے۔ چنانچہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ خون سے پاک نہ ہو جائیں، اُن کے قریب نہ جاؤ[۵۸۸]۔ پھر جب وہ نہا کر پاکیزگی حاصل کر لیں تو اُن سے ملاقات کرو، جہاں سے

[۵۸۷] دین کا مقصد ہی چونکہ تزکیہ ہے، اس لیے حیض و نفاس کے دنوں میں عورتوں سے جنسی تعلق کو تمام الہامی مذاہب نے ممنوع ٹھیرایا ہے۔ دین ابراہیمی کے زیر اثر عرب جاہلیت بھی اسے ناجائز ہی سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری میں اس کا ذکر کئی پہلوؤں سے ہوا ہے۔ اس معاملے میں کوئی اختلاف نہ تھا، لیکن عورت ان ایام سے گزر رہی ہو تو اس سے اجتناب کے حدود کیا ہیں، اس میں البتہ، بہت کچھ افراط و تفریط پائی جاتی تھی۔ قرآن کے جواب سے واضح ہے کہ یہ سوال انھی حدود کے بارے میں تھا۔

[۵۸۸] مدعا یہ ہے کہ اس زمانے میں عورت سے علیحدگی کا تقاضا صرف زن و شو کے خاص تعلق ہی کے حد تک ہے۔ یہ نہیں کہ عورت کو بالکل اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے، جیسا کہ یہود و ہنود اور بعض دوسری قوموں کا طریقہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی یہی بات واضح فرمائی ہے کہ ان ایام میں صرف مباشرت سے پرہیز کرنا چاہیے، باقی تمام تعلقات بغیر کسی تردد کے قائم رکھے جا سکتے ہیں۔

حَیۡثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ ، اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ ﴿۲۲۲﴾
نِسَآؤُکُمۡ حَرۡثٌ لَّکُمۡ ، فَاۡتُوۡا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ ، وَ قَدِّمُوۡا

اللہ نے تمھیں (اِس کا) حکم دیا ہے[589]۔ یقیناً اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو توبہ کرنے والے ہوں اور اُن کو جو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہوں[590]۔ تمھاری یہ عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں[591]، لہٰذا تم اپنی اِس کھیتی میں جس

اس کے بعد قربت کب جائز ہوگی؟ اس کے لیے 'طھر' اور 'تطھر' دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان سے حکم کی جو صورت متعین ہوتی ہے، وہ استاذ امام کے الفاظ میں یہ ہے:

''طہر کے معنی تو یہ ہیں کہ عورت کی ناپاکی کی حالت ختم ہو جائے اور خون کا آنا بند ہو جائے اور تطہر کے معنی یہ ہیں کہ عورت نہا دھو کر پاکیزگی کی حالت میں آجائے۔ آیت میں عورت سے قربت کے لیے طہر کو شرط قرار دیا ہے اور ساتھ ہی فرما دیا ہے کہ جب وہ پاکیزگی حاصل کر لیں، تب ان کے پاس آؤ جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ چونکہ قربت کی ممانعت کی اصلی علت خون ہے، اس وجہ سے اس کے انقطاع کے بعد یہ پابندی تو اٹھ جاتی ہے، لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب عورت نہا دھو کر پاکیزگی حاصل کر لے، تب اس سے ملاقات کرو۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۲۶)

[۵۸۹] یعنی نہا دھو کر پاکیزگی حاصل کر لینے کے بعد عورت سے ملاقات لازماً اسی راستے سے ہونی چاہیے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ یہ چیز بدیہیات فطرت میں سے ہے اور اس پہلو سے لاریب خدا ہی کا حکم ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ درحقیقت خدا کے ایک واضح، بلکہ واضح تر حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے، اور اس پر یقیناً اس کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا۔

[۵۹۰] اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان ہدایات کی کیا اہمیت ہے، یہ اسے بیان فرمایا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''توبہ اور تطہر کی حقیقت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ توبہ اپنے باطن کو گناہوں سے پاک کرنے کا نام ہے اور تطہر اپنے ظاہر کو نجاستوں اور گندگیوں سے پاک کرنا ہے۔ اس اعتبار سے ان دونوں کی حقیقت ایک ہوئی اور مومن کی یہ دونوں خصلتیں اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ ان سے محروم ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں۔ یہاں جس سیاق میں یہ بات آئی ہے، اس سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ جو لوگ عورت کی ناپاکی کے زمانے میں قربت سے اجتناب نہیں کرتے یا قضائے شہوت کے معاملے میں فطرت کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں، وہ اللہ کے نزدیک نہایت مبغوض ہیں۔''

(تدبر قرآن ۱/۵۲۶)

[۵۹۱] اس سے اوپر جو باتیں بیان ہوئی ہیں، یہ اب ان کو کھیتی کے استعارے سے واضح فرمایا ہے۔ استاذ امام نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے:

طرح چاہو، آؤ[592] اور (اِس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت، دونوں کے لیے) آگے کی تدبیر کرو[593] اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تمھیں (ایک دن) لازماً اُس سے ملنا ہے[594]۔ اور ایمان والوں کو (اے پیغمبر، اِس

''عورتوں کے لیے کھیتی کے استعارے میں ایک سیدھا سادہ پہلو تو یہ ہے کہ جس طرح کھیتی کے لیے قدرت کا بنایا ہوا یہ ضابطہ ہے کہ تخم ریزی ٹھیک موسم میں اور مناسب وقت پر کی جاتی ہے، نیز بیج کھیت ہی میں ڈالے جاتے ہیں، کھیت سے باہر نہیں پھینکے جاتے۔ کوئی کسان اس ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اسی طرح عورت کے لیے فطرت کا یہ ضابطہ ہے کہ ایام ماہواری کے زمانے میں یا کسی غیر محل میں اس سے قضائے شہوت نہ کی جائے، اس لیے کہ حیض کا زمانہ عورت کے جمام اور غیر آمادگی کا زمانہ ہوتا ہے، اور غیر محل میں مباشرت باعث اذیت و اضاعت ہے۔ اس وجہ سے کسی سلیم الفطرت انسان کے لیے اس کا ارتکاب جائز نہیں۔'' (تدبر قرآن ۱/ ۵۲۷)

[۵۹۲] اس ہدایت سے کیا مقصود ہے؟ استاذ امام نے لکھا ہے:

''(اِس) میں بہ یک وقت دو باتوں کی طرف اشارہ ہے: ایک تو اس آزادی، بے تکلفی، خود مختاری کی طرف جو ایک باغ یا کھیتی کے مالک کو اپنے باغ یا کھیتی کے معاملے میں حاصل ہوتی ہے، اور دوسری اس پابندی، ذمہ داری اور احتیاط کی طرف جو ایک باغ یا کھیتی والا اپنے باغ یا کھیتی کے معاملے میں ملحوظ رکھتا ہے۔ اس دوسری چیز کی طرف 'حرث' کا لفظ اشارہ کر رہا ہے اور پہلی چیز کی طرف 'انی شئتم' کے الفاظ۔ وہ آزادی اور یہ پابندی، یہ دونوں چیزیں مل کر اس رویے کو متعین کرتی ہیں جو ایک شوہر کو بیوی کے معاملہ میں اختیار کرنا چاہیے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ازدواجی زندگی کا سارا سکون و سرور فریقین کے اس اطمینان میں ہے کہ ان کی خلوت کی آزادیوں پر فطرت کے چند موٹے موٹے قیود کے سوا کوئی قید، کوئی پابندی اور کوئی نگرانی نہیں ہے۔ آزادی کے اس احساس میں بڑا کیف اور بڑا نشہ ہے۔ انسان جب اپنے عیش و سرور کے اس باغ میں داخل ہوتا ہے تو قدرت چاہتی ہے کہ وہ اپنے اس نشہ سے سرشار ہو، لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی اس کے سامنے قدرت نے رکھ دی ہے کہ یہ کوئی جنگل نہیں، بلکہ اس کا اپنا باغ ہے اور یہ کوئی ویرانہ نہیں، بلکہ اس کی اپنی کھیتی ہے۔ اس وجہ سے وہ اس میں آنے کو تو سو بار آئے اور جس شان، جس آن، جس سمت اور جس پہلو سے چاہے آئے، لیکن اس باغ کا باغ ہونا اور کھیتی کا کھیتی ہونا یاد رکھے۔ اس کے کسی آنے میں بھی اس حقیقت سے غفلت نہ ہو۔'' (تدبر قرآن ۱/ ۵۲۷)

[۵۹۳] یعنی ایسی اولاد پیدا کرو جو دنیا اور آخرت، دونوں میں تمھارے لیے سرمایہ بنے۔ اس ہدایت کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ لوگ بچوں کی پیدایش کے معاملے میں اپنے اقدام کی ذمہ داری سمجھیں اور جو کچھ کریں، اس ذمہ داری کو پوری

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طرح سمجھ کر کریں۔

[۵۹۴] مطلب یہ ہے کہ اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں مہلت دے رکھی ہے، اس لیے خلوت وجلوت میں جو چاہے، کر سکتے ہو، لیکن یاد رکھو کہ ایک دن خدا کے حضور میں پیشی کے لیے کھڑا ہونا ہے۔ لہٰذا جو کچھ کرنا ہے، یہ سوچ کر کرو کہ اس کی پکڑ سے اس دن کوئی تمھیں بچا نہ سکے گا۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وفد عبدالقیس کے سوالات

[اس روایت کی ترتیب و تدوین اور شرح و وضاحت جناب جاوید احمد غامدی کی رہنمائی میں زاویۂ فراہی کے رفقا معز امجد، منظور الحسن، محمد اسلم نجمی اور کوکب شہزاد نے کی ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

روی[۱] ان وفد عبد القیس اتوا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال : من القوم ؟ قالوا: ربیعة ـ فقال : مرحبا بالقوم غیر خزایا ولا ندامی ـ قالوا : انا ناتیك من شقة بعیدة و بیننا و بینك هذا الحی من کفار مضر ولا نستطیع ان ناتیك الا فی شهر حرام فمرنا بشیٔ ناخذه عنك و ندعو الیه من وراءنا ندخل به الجنة[۲] و سالوه عن الاشربة[۳] ـ فامرهم باربع[۴] ونهاهم عن اربع، امرهم بالایمان باللّٰه عزوجل وحده[۵] ـ قال : هل تدرون ما الایمان باللّٰه وحده ؟ قالوا : اللّٰه و رسوله اعلم ـ قال : شهادة ان لا الٰه الا اللّٰه وحده لا شریك له[۶] وان محمدا رسول اللّٰه واقام الصلاة وایتاء الزکاة وصوم رمضان[۷] وحج البیت[۸] و تعطوا الخمس من المغنم ـ ونهاهم عن اربع : عن الحنتم والدباء والنقیر والمزفت[۹] ـــــ وربما قال المقیر[۱۰] ـــــ وقال : وانتبذوا فی الاسقیة[۱۱] ـ قالوا : یا رسول اللّٰه ، فان اشتد فی الاسقیة ؟ قال:

فصبوا عليه الماء ۔ قالوا : یا رسول اللّٰہ فقال لھم الثلاثة او الرابعة: اھریقوہ ۔ ثم قال : ان اللّٰہ حرم علی او حرم الخمر و کل مسکر حرام[12] ۔ قال: احفظوہ و اخبروہ من وراء کم۔

قالوا : یا نبی اللّٰہ ، ما علمك بالنقیر ؟ قال : بلی ، جذع تنقرونه فتقذفون فیه من التمر[13] ثم تصبون فیه من الماء حتی اذا سکن غلیانه شربتموہ حتی ان احدکم لیضرب ابن عمه بالسیف۔ قال : و فی القوم رجل اصابته جراحة کذلك قال و کنت اخبوھا حیاء من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقلت : ففیم نشرب یا رسول اللّٰہ؟ قال : فی اسقیة الادم التی یلاث علی افواھھا۔ قالوا: یا رسول اللّٰہ ، ان ارضنا کثیرة الجرذان ولا تبقی بھا اسقیة الادم ۔ فقال نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم : وان اکلتھا الجرذان و ان اکلتھا الجرذان وان اکلتھا الجرذان۔

قال : وقال نبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لاشج عبد القیس : ان فیك لخصلتین یحبھما اللّٰہ الحلم والاناة[14]۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روایت ہے کہ عبدالقیس قبیلے کے کچھ لوگ ایک وفد کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ بنو ربیعہ ہیں۔ آپ نے انھیں خوش آمدید کہا۔ان لوگوں نے کہا کہ ہم بہت دور کے علاقے سے حاضر ہوئے ہیں۔ (ہماری خواہش ہے کہ دین سیکھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہیں،مگر مسئلہ یہ ہے کہ) ہمارے اور آپ کے مابین کفار مضر کا قبیلہ آباد ہے۔(اس وجہ سے) ہم صرف حرام مہینوں[1] ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ہماری درخواست ہے کہ آپ ہمیں ایسی بات ارشاد

فرمائیں جس پر ہم خود بھی عمل پیرا ہوں اور اپنے پیچھے والوں کو بھی آگاہ کریں اور اس طرح جنت میں داخل ہو جائیں[2]۔ اس کے علاوہ انھوں نے بعض مشروبات کے بارے میں بھی دریافت کیا[3]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چار[4] باتوں کی ہدایت کی اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔

آپ نے ہدایت فرمائی کہ (الٰہ کی حیثیت سے) صرف اللہ بزرگ و برتر ہی کو مانیں۔ (پھر) آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ خدائے واحد پر ایمان سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں[5]۔ آپ نے فرمایا: (ایمان سے مراد) اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں؛ اور نماز قائم کرنا ہے؛ اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے؛ اور رمضان کے روزے رکھنا ہے؛ اور بیت اللہ کا حج کرنا ہے؛ اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا ہے[6]۔

اس کے بعد (آپ نے شراب بنانے والے) ان چار (برتنوں کے استعمال) سے منع فرمایا: حنتم، دبا، نقیر اور مزفت۔ (ان کے علاوہ) غالباً آپ نے مقیر کا ذکر بھی فرمایا[7]۔ آپ نے فرمایا: نبیذ (بنانا چاہو تو ان برتنوں کے بجائے) عام پینے کے برتنوں میں بنا لیا کرو۔ ان لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول اگر نبیذ عام برتنوں میں بنانے سے بھی کچھ تیز ہو جائے (اور اس میں نشہ پیدا ہو جائے تو اس صورت میں کیا کیا جائے)؟ آپ نے فرمایا: اس پر پانی انڈیل دو۔ انھوں نے (اسی طرح تین چار بار) پوچھا: اے اللہ کے رسول (نبیذ تیز ہو جائے تو کیا کیا جائے)؟ تیسری یا چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا: اسے گرا دو[8]۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ نے شراب اور ہر نشہ آور چیز حرام ٹھیرائی ہے[9]۔

آپ نے فرمایا: اس (گفتگو) کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو اور اپنے پیچھے والوں کو بھی اس سے آگاہ کرو۔

ان لوگوں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول، کیا آپ نقیر کے بارے میں جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں! تم کسی درخت کے تنے میں سوراخ کرتے ہو، پھر اس میں کچھ کھجوریں بھر دیتے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہو، پھران پر پانی ڈالتے ہو، یہاں تک کہ ان میں خمیر پیدا ہو جاتا ہے (اور کچھ وقت گزرنے کے بعد ان میں نشے کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے)۔ پھر تم اسے پی لیتے ہو اور پھر یہ نوبت بھی آجاتی ہے کہ (نشے میں بدمست ہو کر) تم میں سے کوئی تلوار سونت کر اپنے عم زاد ہی پر حملہ کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔

ان لوگوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو اسی طریقے سے زخمی ہوا تھا۔ وہ شرم سے اپنا زخم چھپا رہا تھا۔اس کا بیان ہے: میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول (اگر حنتم، دبا، نقیر اور مزفت جیسے برتنوں کے علاوہ ہمیں کوئی اور برتن میسر نہ ہوں تو) پھر ہم کس چیز میں پیا کریں؟ آپ نے فرمایا: چمڑے کے ایسے مشکیزوں میں جن کے منہ اچھی طرح سے بندھے ہوئے ہوں۔ (یہ سن کر وفد کے) لوگوں نے کہا: ہمارے علاقے میں بہت زیادہ چوہے پائے جاتے ہیں۔ یہ چمڑے کے مشکیزوں کو سلامت نہیں رہنے دیتے۔آپ نے فرمایا: (تم، بہرحال ایسا ہی کرو) اگرچہ چوہے انھیں کتر ڈالیں، اگرچہ چوہے انھیں کتر ڈالیں، اگرچہ چوہے انھیں کتر ڈالیں[10]۔

راوی کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر (وفد کے سربراہ)، عبدالقیس کو، جسے اشج کے لقب سے پکارا جاتا تھا، فرمایا: تمھارے اندر دو ایسی خوبیاں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں، ایک حلم اور دوسرے تحمل[11]۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ترجمے کے حواشی

[۱] حرام مہینوں سے مراد ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں۔اہل عرب دین ابراہیمی کی روایت کے طور پر ان کا بہت احترام کرتے تھے۔نہایت جنگ جو مزاج رکھنے کے باوجود وہ ان میں ہر طرح کے لڑائی جھگڑے اور جنگ وجدل کو ممنوع سمجھتے تھے۔ان کے ہاں اسے ایک متفقہ قانون کی حیثیت حاصل تھی اور اس کی خلاف ورزی کو وہ بہت بڑا جرم قرار دیتے تھے۔اس طرز عمل کی وجہ سے یہ امن کے مہینے سمجھے جاتے تھے۔نقل وحمل اور تجارت زیادہ تر انھی مہینوں میں ہوتی تھی۔اسلام نے دین ابراہیمی کی اس روایت کو قائم رکھا۔

[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی جستجو کو لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ بنا دیا تھا۔روایات

میں کثرت سے یہ بات نقل ہوئی ہے کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کرتے تھے کہ آپ انھیں ایسی بات بتائیں جسے اختیار کر کے وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

[۳] یعنی ان کی حلت وحرمت کے بارے میں دریافت کیا۔

[۴] احکام کے حوالے سے یہاں چار کا عدد استعمال ہوا ہے۔ مگر جب ہم احکام کو شمار کرنا چاہیں تو ان پر اس عدد کا اطلاق مشکل نظر آتا ہے۔ اسلوب بیان کے پہلو سے دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اصل میں ''اللہ پر ایمان'' ہی کا ایک حکم بیان ہوا ہے اور توحید ورسالت کی شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور خمس اس کی فرع کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ گویا اس صورت میں یہ ایک ہی حکم شمار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم اصل اور اس کے فروع کی تخصیص کیے بغیر انھیں الگ الگ شمار کریں تو یہ چار کے بجائے چھ قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ باتیں ہی قیاس کی جا سکتی ہیں: ایک یہ کہ راوی سے سہو ہوا ہے اور انھوں نے احکام شمار کیے بغیر ۴ کا عدد استعمال کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ عدد اصل میں ایک ہی مرتبہ، یعنی ممنوعات کے لیے استعمال کیا ہوگا، مگر نقل کرنے والوں نے اسے غلطی سے احکام کے ساتھ بھی نقل کر دیا۔ تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی اساسات بیان کرنے کے بعد اظہار اسلام کے حوالے سے چار عملی باتوں کا حکم دیا ہے: اول نماز کا قیام، دوم زکوٰۃ کی ادائیگی، سوم روزہ رکھنا اور چہارم حج کرنا۔ خمس، درحقیقت زکوٰۃ ہی کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔ بہر حال، ان میں سے کوئی ایک یا ان کے علاوہ کوئی دوسری رائے اختیار کرنے سے روایت کے مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

[۵] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عام طریقہ تھا کہ جب کوئی بات اپنے صحابہ کو سمجھانا چاہتے تو اس کے بارے میں سوال کرتے۔ اس کے بعد صحابہ پوری طرح آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ صحابہ کا طرز عمل یہ ہوتا کہ وہ دین کے معاملے میں رائے زنی کرنے کے بجائے یہی کہتے کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

[۶] ایمان انسان کی باطنی کیفیت ہے۔ دین کا تقاضا ہے کہ عمل میں اس کا اظہار حسب ذیل صورتوں میں ہونا چاہیے:

اولاً، اس بات کی علانیہ شہادت دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

ثانیاً، اللہ کے پیغمبروں کو اس حیثیت سے مانا جائے کہ یہ انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں اور ان کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

ثالثاً، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لایا جائے اور ان کی شریعت کی پیروی کی جائے۔ اس ضمن میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور خمس سے متعلق احکام پر عمل کیا جائے۔

[۷] یہ ان خاص برتنوں کے نام ہیں جن میں اہل عرب عام طور پر شراب تیار کرتے تھے۔ قرآن مجید اور بعض دوسری روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسے برتنوں سے ممانعت اصل میں ان میں تیار ہونے والی شراب سے ممانعت ہے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص موقع پر سد ذریعہ کے اصول کے تحت یہ حکم ارشاد فرمایا ہوگا اور

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس کا مقصد شراب کے خبث کو نہایت درجہ واضح کرنا اور مسلمانوں کو اس کی ادنیٰ آلایش سے بھی محفوظ رکھنا ہوگا۔ بعد ازاں جب آپ نے یہ محسوس کیا کہ لوگوں پر ان کی شناعت پوری طرح واضح ہوگئی ہے اور برتنوں کی کمی کی وجہ سے انھیں کچھ مشکل بھی پیش آرہی ہے تو آپ نے دیگر مشروبات بنانے کے لیے ان کے استعمال کی اجازت دے دی۔

[۸] یعنی اگر پانی انڈیلنے کے باوجود نشہ برقرار رہے تو پھر کیا کیا جائے؟ اس سوال کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہوگا کہ اس پر مزید پانی انڈیلو۔ تاہم جب انھوں نے تیسری یا چوتھی مرتبہ یہ سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا کہ پھر اسے گرادیا جائے۔

اسی پہلو سے ابوداؤد میں حسب ذیل الفاظ نقل ہوئے ہیں:

واشربوا فی الجلد الموکی علیه، فإن اشتد فاکسروا بالماء۔ فان اعیاکم فأهریقوه۔ (رقم ۳۲۰۹)

''(نبیذ) چمڑے کے ان مشکیزوں میں پیا کرو جن کے منہ اچھی طرح بندھے ہوئے ہوں۔ اگر یہ تیز ہو تو اس میں پانی شامل کر کے ہلکا کر لو۔ لیکن اگر تم اس کے نشے کو ختم نہ کر سکو تو پھر اسے پھینک دو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہی بات مختلف اسلوب میں مسلم، رقم ۲۰۰۴ اور بیہقی، رقم ۱۷۱۹۷ میں نقل ہوئی ہے۔ مسلم کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

سال قوم ابن عباس عن بیع الخمر و شرائها و التجارة فیها فقال: أمسلمون انتم؟ قالوا: نعم۔ قال: فانه لا یصلح بیعها ولا شراؤها ولا التجارة فیها۔ قال: فسالوه عن النبیذ۔ فقال: خرج رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفر ثم رجع، و قد نبذ ناس من اصحابه فی حناتم و نقیر و دباء، فامر به فاهریق، ثم امر بسقاء فجعل فیه زبیب وماء، فجعل من اللیل فاصبح فشرب منه یومه ذلك ولیلته المستقبلة و من الغد حتی امسی فشرب وسقی، فلما اصبح امر بما بقی منه فاهریق۔

''لوگوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شراب کی خرید و فروخت اور تجارت کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے پوچھا: کیا تم مسلمان ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ سیدنا ابن عباس نے کہا کہ پھر تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کی خرید و فروخت اور تجارت کرو۔ پھر لوگوں نے نبیذ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس آئے تو ان کے اصحاب نے حنتم، نقیر اور دبا کے برتنوں میں نبیذ تیار کر رکھی تھی۔ آپ نے اسے گرانے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے پینے کا عام برتن منگوا کر اس میں کھجور اور پانی کو ملایا اور اسے رات بھر نبیذ بننے کے لیے رکھ دیا۔ اگلے دن شام تک آپ تیار ہونے والی نبیذ نوش فرماتے رہے۔ اگلی صبح آپ نے برتن میں بچی ہوئی نبیذ کو پھینک دینے کا حکم دیا۔''

[۹] قرآن مجید نے شراب نوشی کو نجس شیطانی عمل قرار دیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے۔ بعض دوسرے شیطانی افعال کے ساتھ اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''ایمان والو، یہ شراب اور جوا اور تھان اور قسمت کے تیر، سب گندے شیطانی کام ہیں، اس لیے ان سے الگ رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (المائدہ ۵:۹۰)

[۱۰] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زور دینے کے لیے بات کو تین مرتبہ ارشاد فرمایا ہے۔

[۱۱] احمد بن حنبل، رقم ۱۵۵۹۷، ۱۷۸۶۵ میں اس واقعے کی کچھ مزید تفصیلات نقل ہوئی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

وفد کے سربراہ کا نام منذر ابن عزیز رضی اللہ عنہ تھا اور انھیں 'الاشج' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کا بہت اکرام کیا اور اس کے سربراہ کو اپنے پلنگ پر دائیں جانب بٹھایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد سے ان کے علاقے کے مختلف مقامات کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ لوگ آپ کی معلومات پر بہت متعجب ہوئے۔ آپ نے بتایا کہ آپ نے اس علاقے میں سفر کیا تھا اور اس علاقے کو پسند فرمایا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو ہدایت کی کہ وہ وفد کے لوگوں کا اکرام کریں اور ان کی مہمان نوازی کی ذمہ داری نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کئی پہلوؤں سے اہل مدینہ سے مشابہ ہیں۔ خاص طور پر اس پہلو سے کہ انھوں نے اہل مدینہ کی طرح اس موقع پر آگے بڑھ کر اسلام قبول کیا، جبکہ اکثر عرب قبائل اسلام کی مخالفت پر جمے ہوئے تھے۔

وفد کے لوگوں نے رات مدینہ ہی میں بسر کی۔ صبح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معلوم کیا کہ کیا انھوں نے رات آرام سے گزاری تو انھوں نے اہل مدینہ کی مہمان نوازی کی تعریف کی اور آپ کو بتایا کہ ان کے بھائیوں نے انھیں قرآن مجید اور سنت رسول کی تعلیمات سے بھی آگاہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔

پھر وفد کے ہر شخص کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے الگ الگ صحابہ کے سپرد کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقے کی کھجوروں کی خصوصیات کے بارے میں بھی گفتگو کی۔ اس موقع پر وفد کے سربراہ نے کھجوروں سے تیار ہونے والے مختلف مشروبات کے بارے میں دریافت کیا اور اس کے جواب میں آپ نے مخصوص برتنوں میں مشروب بنانے سے منع فرمایا۔

متن کے حواشی

۱۔ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ بخاری کی روایت، رقم ۸۷ ہے۔ معمولی فرق کے ساتھ یہ درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

بخاری، رقم ۵۳، ۸۷، ۵۰۰، ۱۳۳۴، ۲۹۲۸، ۳۳۰۳، ۳۳۱۹، ۴۱۱۰، ۵۸۲۲، ۶۸۳۸، ۷۱۱۷۔ مسلم، رقم ۱۷، ۱۸، ۱۹۹۳، ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، ۱۹۹۷، ۱۹۹۸۔ ترمذی، رقم ۱۸۶۸، ۲۶۱۱۔ نسائی، رقم ۵۰۳۱، ۵۶۳۷، ۵۶۴۶، ۵۶۹۲۔ ابوداؤد، رقم ۳۶۹۲، ۳۶۹۳، ۳۶۹۴، ۳۶۹۵، ۴۶۷۷۔ احمد بن حنبل، رقم ۲۰۲۰، ۳۴۰۶، ۴۶۲۹، ۴۹۹۵، ۸۶۴۱، ۱۰۳۷۸، ۱۱۱۹۱، ۱۱۵۶۱، ۱۱۸۷۰، ۱۵۵۷۹، ۱۷۸۶۳، ۱۷۸۶۵، ۲۳۸۰۵۔ ابن خزیمہ، رقم ۳۰۷، ۱۸۷۹، ۲۲۴۵، ۲۲۴۶۔ ابن حبان، رقم ۱۵۷، ۱۷۲، ۴۵۴۱، ۵۴۰۱، ۷۲۹۵۔ بیہقی، رقم ۷۶۸۲، ۱۲۵۰۰، ۱۲۵۲۸، ۱۷۲۰۵، ۱۷۲۰۷، ۱۷۲۰۸، ۱۷۲۰۹، ۱۷۲۵۱۔ ابن ابی شیبہ، رقم ۲۳۷۹۱، ۳۰۳۱۰۔ ابویعلی، رقم ۲۵۴۳، ۶۸۵۱۔

۲۔ 'فمرنا بشی ناخذه عنك و ندعو اليه من وراء نا' کے الفاظ بخاری، رقم ۵۰۰ سے لیے گئے ہیں۔ بخاری، رقم ۸۷ میں ان کے بجائے 'فمرنا بامر نخبربه من وراء نا' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۳۔ 'و سالوه عن الاشربه' کے الفاظ ہم نے بخاری، رقم ۵۱ سے لیے ہیں۔

۴۔ نسائی، رقم ۵۶۹۲ میں 'باربع' کی جگہ 'بثلاث' کے الفاظ آئے ہیں۔

۵۔ بعض طرق مثلاً بخاری، رقم ۵۸۲۲ میں اللہ پر ایمان اور اس کا وضاحتی جملہ حذف ہو گیا ہے، جبکہ بعض طرق مثلاً مسلم، رقم ۱۸ میں اس کے بجائے 'اعبدوا اللّٰه و لا تشركوا به شياء' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۶۔ 'وحده لا شريك له' کے الفاظ بخاری، رقم ۶۹۳۸ سے لیے گئے ہیں۔

۷۔ 'و ان محمدا رسول اللّٰه' اور 'و صوم رمضان' کے الفاظ بعض دوسرے طرق مثلاً بخاری، رقم ۱۳۳۴ میں نقل نہیں ہوئے۔

۸۔ 'و حج البيت' کے الفاظ احمد بن حنبل، رقم ۳۴۰۶ سے متن میں شامل کیے گئے ہیں۔

۹۔ حنتم، دبا، نقیر اور مزفت ان برتنوں کے نام ہیں جن میں عام طور پر شراب تیار کی جاتی تھی۔ ان برتنوں کے استعمال سے ممانعت درحقیقت اس شراب سے ممانعت ہے جو ان برتنوں میں تیار کی جاتی تھی۔ بخاری، رقم ۴۱۱۰ کے الفاظ 'ما انتبذ فی' سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔ مختلف روایات میں اس نوعیت کے برتنوں کے ناموں میں فرق ہے۔ مثال کے طور پر نسائی، رقم ۵۶۴۶ میں 'و المزاد المجبوبة' کے الفاظ اضافی طور پر موجود ہیں، اس کے برعکس بعض روایات میں صرف 'الدبا' اور 'المزفت' ہی کے نام نقل ہوئے ہیں۔ اس کی مثالیں درج ذیل طرق میں دیکھی جا سکتی ہیں:

بخاری، رقم ۵۲۶۵، ۵۲۷۲، ۵۲۷۳۔ مسلم، رقم ۱۹۹۲، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵۔ نسائی، رقم ۵۶۲۶، ۵۶۲۷، ۵۶۲۸، ۵۶۲۹، ۵۶۳۰۔ احمد بن حنبل، رقم ۶۳۴، ۲۰۱۹۸، ۲۴۸۸۴۔ ۲۵۰۵۵، ۲۵۷۱۰۔ بیہقی، رقم ۱۷۲۴۳، ۱۷۲۴۴، ۱۷۲۴۷، ۱۷۲۴۸، ۱۷۲۴۹، ۱۷۲۵۰۔ ابن ابی شیبہ، رقم ۲۳۷۸۲، ۲۳۸۰۶۔ الحمیدی، رقم ۱۰۸۱۔ ابویعلی، رقم ۴۳۴۴۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۰۔'و ربما قال المقیر' کے الفاظ بخاری، رقم ۵۳ سے لیے گئے ہیں۔ بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۷۱۱۷ میں ان کے بجائے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: 'لا تشربوا فی الدباء والنقیر والظروف المزفتة والحنتمة'۔

۱۱۔' وانتبذوا فی الاسقیة' کا مفہوم دوسرے اسلوب میں ابویعلیٰ، رقم ۲۵۴۳ میں اس طرح بیان ہوا ہے:

جاء نا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فسقیناه من هذا النبیذ یعنی نبیذ السقایة فشرب ثم قال احسنتم هکذا فاصنعوه۔

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے انھیں نوش فرمانے کے لیے نبیذ پیش کی۔ اسے ہم نے پینے کے عام برتنوں میں تیار کیا تھا۔ آپ نے اسے پیا اور فرمایا: تم نے اسے اچھے طریقے سے تیار کیا ہے، ایسا ہی کیا کرو۔''

۱۲۔'وانتبذو فی الاسقیة' سے شروع ہو کر 'و کل مسکر حرام' پر ختم ہونے والا حصہ اس روایت میں نقل نہیں ہوا۔ اسے ابوداؤد، رقم ۳۶۹۶ سے لیا گیا ہے۔

۱۳۔' فتقذفون فیه من التمر' کے الفاظ مسلم، رقم ۱۸ سے لیے گئے ہیں۔ یہاں راوی واضح نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ 'التمر' استعمال کیا تھا یا 'القیطاء'۔

۱٤۔متن کا آخری حصہ جو 'قالوا یا نبی اللّٰه ما علمك بالنقیر' سے شروع ہو کر 'الحلم والاناة' پر ختم ہوتا ہے، مسلم، رقم ۱۸ سے لیا گیا ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

طالب محسن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا

(مشکوٰۃ المصابیح حدیث:۱۰۲۔۱۰۳)

عن أنس رضی اللّٰہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکثر أن یقول: یا مقلب القلوب، ثبت قلبی علی دینك ۔ فقلت: یانبی اللّٰہ، آمنا بك وبما جئت بہ ۔ فھل تخاف علینا؟ قال: نعم، إن القلوب بین أصبعین من أصابع اللّٰہ ، یقلبھا کیف یشاء ۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم یہ فرمایا کرتے تھے: اے دلوں کے پھیرنے والے، میرا دل اپنے دین پر جما دے۔ (ایک دن میں نے یہ سنا تو) پوچھا: یا نبی اللہ، ہم آپ پر اور آپ جو (ہدایت) لائے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا آپ ہمارے بارے میں کوئی اندیشہ محسوس کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، (ہمارے) دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں۔ وہ انھیں جیسے چاہتا ہے، پھیر دیتا ہے۔''

لغوی مباحث

ثبت قلبی: میرے دل کو جما دے۔ دل کو جمانے سے تلون اور عدم اعتماد کی کیفیت کا خاتمہ مراد ہے۔

هل تخاف علينا: کیا آپ ہمارے بارے میں اندیشہ رکھتے ہیں؟ یہ جملہ روایت میں بے محل ہے۔ اصلاً سوال یہ ہونا چاہیے تھا کہ کیا آپ اپنے بارے میں اندیشہ رکھتے ہیں؟ اس لیے کہ دعا کے الفاظ سے واضح تھا کہ آپ نے اپنے لیے دعا کی ہے۔ لیکن صحابی رضی اللہ عنہ نے دعا کے الفاظ کو تعلیم کے لیے بولے گئے الفاظ سمجھا ہے اور اسی کے مطابق یہ سوال کیا ہے۔ خوف کا لفظ امکانی خطرے کے لیے بھی آتا ہے۔

إن القلوب بين الأصبعين من أصابع الله: بے شک دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں۔ یہ دل پر اللہ تعالیٰ کی گرفت کی لفظی تصویر ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے انگلیاں ثابت کرنا محض سوے فہم ہوگا۔

متون

صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت ترمذی سے لی ہے۔ اس میں ایک دعا بیان ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کیا کرتے تھے۔ زیر بحث متن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لیکن اپنے اپنے مشاہدے کی روشنی میں یہی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے صحابہ کے حوالے سے بھی کتب حدیث میں درج ہے۔ ان روایات میں موقع اور سوال و جواب کی تفصیل ظاہر ہے مختلف ہے۔ یہاں ان کی تفصیل بیان کرنا بے محل ہے۔ چنانچہ ہم نے متون کی یہ بحث صرف حضرت انس کی روایت کے طرق تک محدود کر دی ہے۔ اس روایت کے طرق میں کوئی قابل لحاظ فرق نہیں ہے۔ چند لفظی فرق ہیں۔ مثلاً اس روایت میں سوال کی نسبت متکلم کے صیغے میں ایک شخص یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ لیکن ایک دوسری روایت میں 'فقلت' کے بجائے 'فقلنا' آیا ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں 'فقال رجل' ہے۔ ابن ماجہ کا فرق کافی حیران کن ہے۔ اس لیے کہ زیر بحث متن اور ابن ماجہ کی روایت میں صحابی راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ لیکن دونوں میں سائل کی نسبت سے واضح تضاد ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں صورت حال اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ راوی نے سائل کی نسبت اس طرح کے تمام واقعات کو جمع کر کے خود سے صحابہ اور اہل بیت نبی کی طرف کر دی ہے۔ وہ بتاتے ہیں: 'فقال له أصحابه و أهله'۔ یہ نسبت ایک واقعے کی صورت میں درست نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دعا سے متعلق تمام روایات سے صحابہ اور امہات المومنین کے ایک ہی جگہ جمع ہونے کا امکان بھی سامنے نہیں آتا۔ سوال کے جملے میں زیر بحث متن میں آپ کی نبوت اور قرآن پر ایمان کا ذکر ہوا ہے۔ ایک روایت میں اس پر زور دینے کے لیے 'صدقناك' کا اضافہ ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے جملے میں بھی کچھ معمولی اختلافات روایت ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں 'بين أصبعين من أصابع الله' کی جگہ 'بيد الله' آیا ہے۔ اسی طرح زیر بحث متن میں 'يقلبها' کے بعد 'كيف يشاء' کا اضافہ ہے۔ اس روایت کے دوسرے متون میں بالعموم یہ اضافہ نہیں ہے۔ اس روایت کے ایک متن میں

صرف دعا کا ذکر ہے، باقی مکالمہ بیان نہیں ہوا۔

معنی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں اللہ تعالیٰ کے تخاطب کے لیے 'مقلب القلوب' کی ترکیب اختیار کی ہے۔ شارحین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دل پر طاری ہونے والی اطاعت، معصیت، حضوری اور غفلت کے غلبے کی حالتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے دین پر ثبات کی قلبی حالت کی دعا کی ہے۔ اس روایت میں اللہ تعالیٰ کی طرف جس عمل کی نسبت کی گئی ہے، ان الفاظ سے اس کے اسباب و وجوہ اور نوعیت واضح نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں اس حوالے سے دو مقامات محل غور ہیں۔ ایک سورۂ بقرہ میں 'ختم اللّٰہ علی قلوبھم' والی آیت اور دوسرے سورۂ آل عمران میں تعلیم کی گئی: 'ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا' کی دعا ہے۔ ختم قلوب کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق سے مسلسل روگردانی کی سزا کے طور پر آدمی سے حق کی قبولیت کی صلاحیت ہی چھین لیتے ہیں۔ چنانچہ آخرت کے معاملے میں اندیشہ رکھنے والے لوگ کبھی اس ڈھٹائی میں مبتلا نہیں ہو سکتے کہ انھیں اتنی بڑی سزا دے دی جائے۔ لیکن بہرحال اس دعا سے دل کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی ایک تبدیلی کی نوعیت واضح ہوتی ہے۔ سورۂ آل عمران میں سکھائی گئی دعا ایک خاص محل میں آئی ہے۔ محولہ آیت سے متصل پہلے متشابہ آیات کی تاویل میں الجھنے کی آفات پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کے بعد صحیح رویے کو واضح کیا گیا ہے۔ اور اسی ضمن میں صحیح رویہ اختیار کرنے والوں کی اس دعا کا ذکر ہوا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں اس دعا کی حقیقت واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''یہ راسخین فی العلم کی دعا ہے جس سے اس امر کا اظہار ہو رہا ہے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں اتنے بے پروا نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ شکوک اور شبہات کو بلاوے بھیج کر بلائیں اور اپنے ایمان اور اسلام کو خطرے میں ڈالیں۔ بلکہ وہ اپنے ایمان کی سلامتی کے لیے برابر اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ دین میں ان کے جمے ہوئے قدم اکھڑنے نہ پائیں اور جب فتنوں کی یورش ہو تو خدائے وہاب اپنے پاس سے ان کے لیے وہ روحانی کمک بھیجے جو ان کے لیے ثبات قدم کا ذریعہ بنے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۳۴)

خطرے دو ہیں۔ ایک یہ کہ خود ہمارے دل کی ٹیڑھ پوری طرح دور نہ ہوئی ہو اور یہ بات کسی آزمایش کے موقع پر ہمیں گمراہی کی راہ پر لے جائے اور ہم نے جو سمجھا، سیکھا اور کیا ہے سب اکارت چلا جائے۔ دوسرے یہ کہ جن وانس کے شیاطین ہماری ایمانیات اور ہمارے دینی امور کے بارے میں ہمارے قلبی اور عملی ثبات کو متزلزل کرنے کے لیے شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں خدا کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس دعا میں اسی مدد کے

لیے درخواست کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لیے یہ دعا کرنا اس صورت حال کی خطرناکی کو واضح کرتا ہے۔

تقدیر کے باب میں یہ روایت ایک مختلف پہلو سے آئی ہے۔ تقدیر کے لفظ سے عام طور پر پہلے سے طے شدہ معاملات مراد ہوتے ہیں۔ یہ روایت اس پہلو سے اس باب میں درج نہیں کی گئی ہے۔ تقدیر کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزمرہ کے معاملات میں نئے فیصلوں کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ فیصلے نعمت و نقمت، دونوں پہلوؤں سے ہوتے ہیں اور یہ روایت اسی پہلو سے اس باب کا حصہ بنی ہے۔

کتابیات

ترمذی، رقم ۲۱۲۴۔ ۳۵۲۲۔ ۳۵۸۷۔ ابن ماجہ، رقم ۳۸۳۴۔ احمد، رقم ۱۱۶۹۷۔ ۱۳۲۸۴۔ ۱۷۱۷۸۔ ۲۴۰۸۳۔ ۲۵۶۰۲۔ ۲۵۹۸۰۔ ۲۶۱۳۹۔ ابن حبان، رقم ۹۴۳۔ مستدرک، رقم ۱۹۲۶۔ ۱۹۲۷۔ ۳۱۴۰۔ ۳۱۴۱۔ ۷۹۰۷۔ سنن الکبریٰ، رقم ۷۷۳۷۔ مصنف ابن شیبہ، رقم ۲۹۱۹۶۔ ۳۰۴۰۵۔ مصنف عبدالرزاق، رقم ۳۱۹۸۔ مسند ابویعلی، رقم ۲۳۱۸۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دل کا اضطراب

عن أبی موسی رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: مثل القلب کریشة بأرض فلاة یقلبها الریاح ظهرا لبطن۔

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دل کی مثال وسیع میدان میں پڑے ہوئے پر کی ہے جسے ہوائیں اوپر نیچے پلٹاتی رہتی ہیں۔“

لغوی مباحث

ریشة: پر، پرندوں کے ٹوٹے ہوئے پروں کا ہوا کے دوش پر اڑتے پھرنا ہمارا عام مشاہدہ ہے۔ یہاں یہی پر مراد ہے۔

أرض فلاة: اس میں 'أرض' کا لفظ تنوین کے ساتھ بھی روایت ہوا ہے اور بغیر تنوین کے بھی۔ تنوین کی صورت میں 'فلاة' صفت ہوگا اور 'أرض' موصوف اور بغیر تنوین کی صورت میں یہ ترکیب اضافت کی ہوگی۔ 'فلاة' کے معنی ایسا کھلا میدان ہے جس

میں روئیدگی نہ ہو یعنی ایک چٹیل میدان۔ یہاں 'أرض' کے ساتھ 'فلاۃ' کے اضافے سے تیزی کے ساتھ الٹنے پلٹنے پر کے تصور کو نمایاں کرنا ہے۔

ظھرا لبطن: کمر سے پیٹ کے بل۔ یہاں بر بنائے قرینہ 'بطنا لظھر' (پیٹ سے کمر کے بل) حذف ہے۔ یعنی ہوا کبھی پر کو سیدھا کر دیتی ہے اور کبھی الٹا۔ رہا یہ سوال کہ 'ظھرا' کا نصب کس بنا پر ہے تو اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ضمیر مفعول 'ھا' کا بدل بعض ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ حال ہے۔ ہمارے نزدیک بدل کی توجیہ سادہ بھی ہے اور عبارت کے مدعا کے قریب بھی۔

متون

یہ روایت ایک مختصر جملے پر مبنی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کے تلون کو دو مثالوں سے بیان کیا ہے۔ ایک مثال تو زیر بحث متن میں ہے۔ دوسرے متن کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إنما سمی القلب من تقلبہ إنما مثل القلب کمثل ریشۃ معلقۃ فی اصل شجرۃ یقلبھا الریح ظھرا لبطن۔ (احمد، رقم ۲۲۸۵۹)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قلب کو نام ہی اس کے (رنگ) بدلنے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ دل کی مثال تو بس اس پر کی ہے جو شاخ کی جڑ سے بندھا ہوا ہو اور اسے ہوا الٹتی پلٹتی رہتی ہو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

زیر بحث متن کی مختلف روایات میں اختلافات محض لفظی ہیں۔ مثلاً، ایک روایت میں 'مثل القلب' کے بجائے 'إن ھذا القلب' آیا ہے۔ بعض روایات میں 'کریشۃ' کی جگہ 'مثل ریشۃ' اور 'کمثل ریشۃ' کی تراکیب آئی ہیں۔ اسی طرح کچھ مرویات میں 'یقلبھا' کے بدلے میں 'یقیمھا' کا فعل آیا ہے۔ ایک روایت میں صرف 'أرض' ہے یعنی اس کے ساتھ کا 'فلاۃ' لفظ نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ جملہ انتہائی اختصار کے ساتھ 'مثل القلب مثل الریشۃ یقلبھا الریح' کے الفاظ میں نقل ہوا ہے۔ اسی طرح بعض راوی اس روایت کے آغاز میں بھی 'إنما سمی القلب قلبا لتقلبہ' کا جملہ روایت کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ اس روایت کے متون میں کوئی اہم فرق نہیں ہے۔

معنی

یہ روایت اوپر والی روایت کے تکملے کی حیثیت سے اس باب کا حصہ بنائی گئی ہے۔ اصلاً اس روایت کے معنی تقدیر کی

بحث سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس روایت میں دل کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اس پر مختلف حالتیں آتی رہتی ہیں اور اس تبدیلی کی صورت بسا اوقات وہی ہوتی ہے جو ہمیں میدان میں ہوا کے باعث تیزی سے کبھی الٹتے اور کبھی سیدھا ہوتے پر کی نظر آتی ہے۔ دل بھی اسی طرح کبھی خیر اور خوبی اور کبھی شر اور برائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ کبھی اظہار بندگی واطاعت کے احساسات سے سرشار ہوتا اور کبھی گریز وانحراف کے میلانات سے مملو ہوتا ہے۔ اس مثال میں ہواؤں کی تعبیر بھی بڑی برمحل ہے۔ دنیا کے مسائل، شیاطین جن وانس کے پھیلائے ہوئے جال، جذبات، خواہشات اور ضروریات کی افراط وتفریط یہ تمام عناصر دل کی دنیا کو زیروزبر کرتے رہتے ہیں۔ دل ان آندھیوں کے مقابلے میں بعض اوقات اسی طرح بے بس ہو جاتا ہے جس طرح ہواؤں کے زور سے پلٹنیاں کھاتا ہوا پتا بے بس ہوتا ہے۔

دل یہاں ہماری شخصیت کے اس پہلو کی تعبیر کرتا ہے جس کے لیے طبیعت یا جذبات کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ ہماری شخصیت کے اس پہلو کی بنیادی خصوصیت انفعال ہے۔ یعنی متأثر ہونا اور اسی تأثر کے تحت ردعمل ظاہر کرنا۔ یہ اپنے محل پر ایک خوبی ہے۔ یہی چیز ہے جس کے باعث ہم اللہ تعالیٰ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، دین اور دین سے وابستہ مظاہر کے ساتھ ایک گہری وابستگی پیدا کر لیتے ہیں اور یہی چیز ہمارے دینی اعمال میں ایک حسن پیدا کرتی ہے۔ لیکن یہ متاثر ہونے کا عمل صرف خیر کے پہلو ہی سے نہیں ہوتا، بلکہ شر کے محرکات اور داعیات بھی ہمیں متاثر کرتے ہیں۔ اسی طرح یہی تأثر بعض اوقات غلو اور شدت کی طرف راغب کرتا اور بدعات کے تصنیف کرنے کا باعث بنتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس روایت میں انھی مضرتوں پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کتابیات

سنن ابن ماجہ، رقم ۸۸۔ احمد رقم، ۱۹۲۵۸۔۲۷۸۵۹۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۴۸۱۹۔ مسند البزار، رقم ۳۰۲۷۔ مسند الحارث، رقم ۲۰۔ مسند ابن الجعد، رقم ۱۴۵۰۔ مسند الشہاب، رقم ۱۳۶۹۔ السنہ ابن ابی عاصم، رقم ۲۲۷۔

جاوید احمد غامدی

قانون معاشرت

(۱۳)

(گزشتہ سے پیوستہ)

مردوزن کا اختلاط

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ، لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ، ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ، وَ اِنْ قِیْلَ لَکُمُ : ارْجِعُوْا ، فَارْجِعُوْا ، ھُوَ اَزْکٰی لَکُمْ ، وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ ، وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ، ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ ، اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ ، وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ ، وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا، وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ ، وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اٰبَآءِ ھِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ ھِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوٰتِھِنَّ اَوْ نِسَآءِ ھِنَّ اَوْ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْھَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ، وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ ، وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعاً ، اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ ، لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (النور۲۴: ۲۷۔۳۱)

’’ایمان والو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک تعارف پیدا نہ کر لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ تمھیں یاددہانی حاصل رہے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو، جب تک تمھیں

اجازت نہ دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ۔ یہی طریقہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ اِس میں، البتہ کوئی مضایقہ نہیں کہ تم ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہیں ہیں اور اِن میں تمھارے لیے کوئی منفعت ہے۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ مومن مردوں سے کہہ دو، (اے پیغمبر کہ ان گھروں میں اگر عورتیں ہوں تو) وہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ اُس سے پوری طرح واقف ہے۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزیں نہ کھولیں، سوائے اُن کے جو اُن میں سے کھلی ہوتی ہیں، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔ اور زینت کی چیزیں نہ کھولیں، مگر اپنے شوہر کے سامنے یا اپنے باپ، اپنے شوہر کے باپ، اپنے بیٹوں، اپنے شوہر کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھائیوں کے بیٹوں، اپنی بہنوں کے بیٹوں، اپنے میل جول کی عورتوں اور اپنے غلاموں کے سامنے یا اُن زیردست مردوں کے سامنے جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے یا اُن بچوں کے سامنے جو عورتوں کی پردے کی چیزوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے۔ اور اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت (لوگوں کے لیے) ظاہر ہو جائے۔ اور ایمان والو، سب مل کر اللہ سے رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

یہ اخلاقی مفاسد سے معاشرے کی حفاظت اور باہمی تعلقات میں دلوں کی پاکیزگی قائم رکھنے کے لیے اختلاط مرد و زن کے آداب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مقرر فرمائے ہیں۔ سورۂ نور کی ان آیات میں یہ اس تنبیہ کے ساتھ بیان ہوئے ہیں کہ دوسروں کے گھروں میں جانے اور ملنے جلنے کا یہی طریقہ لوگوں کے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ وہ اگر اسے ملحوظ رکھیں گے تو یہ ان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہو گا۔ لیکن اس میں ایک ضروری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کو علیم و خبیر سمجھتے ہوئے اس طریقے کی پابندی کریں اور اس بات پر ہمیشہ متنبہ رہیں کہ ان کا پروردگار ان کے عمل ہی سے نہیں، ان کی نیت اور ارادوں سے بھی پوری طرح واقف ہے۔

یہ آداب درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک دوسرے کے گھروں میں جانے کی ضرورت پیش آجائے تو بے دھڑک اور بے پوچھے اندر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس طرح کے موقعوں پر ضروری ہے کہ آدمی پہلے گھر والوں کو اپنا تعارف کرائے جس کا شایستہ اور مہذب طریقہ یہ ہے کہ دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا جائے۔ اس سے گھر والے معلوم کر لیں گے کہ آنے والا کون ہے؟ کیا چاہتا ہے اور اس کا گھر میں داخل ہونا مناسب ہے یا نہیں؟ اس کے بعد اگر وہ سلام کا جواب دیں اور اجازت ملے تو گھر میں داخل ہو، اجازت دینے کے لیے گھر میں کوئی موجود نہ ہو یا موجود ہو اور اس کی طرف سے کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملنا ممکن نہیں ہے تو دل میں کوئی تنگی محسوس کیے بغیر واپس چلا جائے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ اجازت کے لیے تین مرتبہ پکارو، اگر تیسری مرتبہ پکارنے پر بھی جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ۔[48]

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ اجازت عین گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر اور اندر جھانکتے ہوئے نہیں مانگنی چاہیے، اس لیے کہ اجازت مانگنے کا حکم تو دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ گھر والوں پر نگاہ نہ پڑے۔[49]

۲۔ ان جگہوں کے لیے یہ پابندی، البتہ ضروری نہیں ہے جہاں لوگوں کے بیوی بچے نہ رہتے ہوں۔ قرآن نے اس کے لیے 'بیوتاً غیر مسکونة' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یعنی ہوٹل، سرائے، مہمان خانے، دکانیں، دفاتر، مردانہ نشست گاہیں وغیرہ۔ ان میں اگر کسی منفعت اور ضرورت کا تقاضا ہو تو آدمی اجازت کے بغیر بھی جا سکتا ہے۔ اجازت لینے کی جو پابندی اوپر عائد کی گئی ہے، وہ ان جگہوں سے متعلق نہیں ہے۔

۳۔ دونوں ہی قسم کے مقامات پر اگر عورتیں موجود ہوں تو اللہ کا حکم ہے کہ مرد بھی اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور عورتیں بھی۔ اس کے لیے اصل میں 'یغضوا من ابصارھم' کے الفاظ آئے ہیں۔ نگاہوں میں حیا ہو اور مرد و عورت ایک دوسرے کے حسن و جمال سے آنکھیں سینکنے، خط و خال کا جائزہ لینے اور ایک دوسرے کو گھورنے سے پرہیز کریں تو اس حکم کا منشا یقیناً پورا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس سے مقصود نہ دیکھنا یا ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہنا نہیں ہے، بلکہ نگاہ بھر کر نہ دیکھنا اور نگاہوں کو دیکھنے کے لیے بالکل آزاد نہ چھوڑ دینا ہے۔ اس طرح کا پہرا اگر نگاہوں پر نہ بٹھایا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ آنکھوں کی زنا ہے۔ اس سے ابتدا ہو جائے تو شرم گاہ اسے پورا کر دیتی ہے یا پورا کرنے سے رہ جاتی ہے۔[50] چنانچہ یہی نگاہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ اسے فوراً پھیر لینا چاہیے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: علی، ایک کے بعد دوسری نظر کو اس کا پیچھا نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ پہلی تو معاف ہے، مگر دوسری معاف نہیں ہے۔[51]

جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا: اس طرح کی نگاہ اچانک پڑ جائے تو کیا کروں؟ فرمایا: فوراً نگاہ پھیر لو یا نیچی کر لو۔[52]

حجۃ الوداع کا قصہ ہے کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں روک کر مسئلہ پوچھنے لگی تو فضل بن

۴۸؎ بخاری، رقم ۶۲۴۵۔

۴۹؎ بخاری، رقم ۶۲۴۱۔

۵۰؎ بخاری، رقم ۶۳۴۳۔

۵۱؎ ابوداؤد، رقم ۲۱۴۹۔

۵۲؎ مسلم، رقم ۲۱۵۹۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عباس نے اس پر نگاہیں گاڑ دیں۔ آپ نے دیکھا تو ان کا منہ پکڑ کر دوسری طرف کر دیا۔[۵۳]

۴۔ اس طرح کے موقعوں پر شرم گاہوں کی حفاظت کی جائے۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ تعبیر ناجائز شہوت رانی سے پرہیز کے لیے اختیار کی گئی ہے، لیکن سورۂ نور کی ان آیات میں قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد عورتوں اور مردوں کا اپنے صنفی اعضا کو اچھی طرح ڈھانپ کر رکھنا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ مرد و زن ایک جگہ موجود ہوں تو چھپانے کی جگہوں کو اور بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ چھپانا چاہیے۔ اس میں ظاہر ہے کہ بڑا دخل اس چیز کو ہے کہ لباس باقرینہ ہو۔ عورتیں اور مرد، دونوں ایسا لباس پہنیں جو زینت کے ساتھ صنفی اعضا کو بھی پوری طرح چھپانے والا ہو۔ پھر ملاقات کے موقع پر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اٹھنے بیٹھنے میں کوئی شخص برہنہ نہ ہونے پائے۔ شرم گاہوں کی حفاظت سے یہاں قرآن کا مقصود یہی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی معاشرت میں غض بصر کے ساتھ یہ چیز بھی پوری طرح ملحوظ رکھی جائے۔

۵۔ عورتوں کے لیے، بالخصوص ضروری ہے کہ وہ زیب و زینت کی کوئی چیز اپنے قریبی اعزہ اور متعلقین کے سوا کسی شخص کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں۔ اس سے زیبایش کی وہ چیزیں، البتہ مستثنیٰ ہیں جو عادۃً کھلی ہوتی ہیں۔ یعنی ہاتھ، پاؤں اور چہرے کا بناؤ سنگھار اور زیورات وغیرہ۔ اس کے لیے اصل میں 'الا ما ظهر منها' کے جو الفاظ آئے ہیں، ان کا صحیح مفہوم عربیت کی رو سے وہی ہے جسے زمخشری نے 'الا ما جرت العادة والجبلة على ظهوره والاصل فيه الظهور'[۵۴] کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ یعنی وہ اعضا جنھیں انسان عادۃً اور جبلی طور پر چھپایا نہیں کرتے اور وہ اصلاً کھلے ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان اعضا کے سوا باقی ہر جگہ کی زیبایش عورتوں کو چھپا کر رکھنی چاہیے، یہاں تک کہ مردوں کی موجودگی میں اپنے پاؤں زمین پر مار کر چلنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ ان کی چھپی ہوئی زینت ظاہر نہ ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر عورتوں کے تیز خوشبو لگا کر باہر نکلنے کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔[۵۵]

جن اعزہ اور متعلقین کے سامنے اظہار زینت کی یہ پابندی نہیں ہے، وہ یہ ہیں:

شوہر

باپ

شوہروں کے باپ

اپنے اور شوہر کے باپ کے لیے اصل میں لفظ 'آباء' استعمال ہوا ہے۔ اس کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں، بلکہ اجداد و اعمام، سب شامل ہیں۔ لہٰذا ایک عورت اپنی ددھیال اور ننھیال، اور اپنے شوہر کی ددھیال اور ننھیال کے ان سب بزرگوں

۵۳؎ بخاری، رقم ۱۵۱۳۔

۵۴؎ الکشاف ۲۳۱/۳۔

۵۵؎ ابوداؤد، رقم ۴۱۷۳۔

کے سامنے زینت کی چیزیں اسی طرح ظاہر کرسکتی ہے، جس طرح اپنے والد اور خسر کے سامنے کرسکتی ہے۔

بیٹے

شوہروں کے بیٹے

بھائی

بھائیوں کے بیٹے

بہنوں کے بیٹے

بیٹوں میں پوتے، پرپوتے اور نواسے، پرنواسے، سب شامل ہیں اور اس معاملے میں سگے اور سوتیلے کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی حکم بھائیوں اور بھائی بہنوں کی اولاد کا ہے۔ ان میں بھی سگے، سوتیلے اور رضاعی، تینوں قسم کے بھائی اور بھائی بہنوں کی اولاد شامل سمجھی جائے گی۔

اپنے میل جول اور تعلق وخدمت کی عورتیں

اس سے واضح ہے کہ اجنبی عورتوں کو بھی مردوں ہی کے حکم میں سمجھنا چاہیے اور ان کے سامنے بھی مسلمان عورتوں کو اپنی چھپی ہوئی زینت کے معاملے میں محتاط رہنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں مالی اور اخلاقی، دونوں قسم کی آفتوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، بلکہ بعض حالات میں یہ چیز اس سے بھی بڑے خطرات کا باعث بن جاتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

غلام

یہ اس زمانے میں موجود تھے۔ 'ما ملکت ایمانھن' کے جو الفاظ ان کے لیے اصل میں آئے ہیں، ان سے بعض فقہا نے صرف لونڈیاں مراد لی ہیں، لیکن اس کا کوئی قرینہ ان الفاظ میں موجود نہیں ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''اگر صرف لونڈیاں ہی مراد ہوتیں تو صحیح اور واضح تعبیر 'او ما ئھن' کی ہوتی، ایک عام لفظ جو لونڈیوں اور غلاموں، دونوں پر مشتمل ہے، اس کے لیے استعمال نہ ہوتا۔ پھر یہاں اس سے پہلے 'نسائھن' کا لفظ آ چکا ہے جو ان تمام عورتوں پر، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے، مشتمل ہے جو میل جول اور خدمت کی نوعیت کی وابستگی رکھتی ہیں۔ اس کے بعد لونڈیوں کے علیحدہ ذکر کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔'' (تدبر قرآن ۵/۳۹۸)

وہ لوگ جو گھر والوں کی سرپرستی میں رہتے ہوں اور زیردستی کے باعث یا کسی اور وجہ سے انھیں عورتوں کی طرف رغبت نہ ہوسکتی ہو۔

بچے جو ابھی بلوغ کے تقاضوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔

۶۔ عورت کا سینہ بھی چونکہ صنفی اعضا میں سے ہے، پھر گلے میں زیورات بھی ہوتے ہیں، اس لیے ایک مزید ہدایت یہ

فرمائی ہے کہ اس طرح کے موقعوں پر اسے دوپٹے سے ڈھانپ لینا چاہیے۔ اس سے، ظاہر ہے کہ گریبان بھی فی الجملہ چھپ جائے گا۔ یہ مقصد اگر دوپٹے کے سوا کسی اور طریقے سے حاصل ہو جائے تو اس میں بھی مضایقہ نہیں ہے۔ مدعا یہی ہے کہ عورتوں کو اپنا سینہ اور گریبان مردوں کے سامنے کھولنا نہیں چاہیے، بلکہ اس طرح ڈھانپ کر رکھنا چاہیے کہ نہ وہ نمایاں ہو اور نہ اس کی زینت ہی کسی پہلو سے نمایاں ہونے پائے۔

ان آداب سے متعلق چند توضیحات بھی اسی سورہ میں بیان ہوئی ہیں۔

اولاً، فرمایا ہے کہ گھروں میں آمدورفت رکھنے والے غلاموں اور نابالغ بچوں کے لیے ہر موقع پر اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ تین اوقات میں اجازت لے کر داخل ہوں: نماز فجر سے پہلے جبکہ لوگ ابھی بستروں میں ہوتے ہیں؛ ظہر کے وقت جب وہ قیلولہ کے لیے کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں اور عشا کے بعد جب وہ سونے کے لیے بستروں میں چلے جاتے ہیں۔ یہ تین وقت پردے کے وقت ہیں۔ ان میں اگر کوئی اچانک آ جائے گا تو ممکن ہے کہ گھر والوں کو ایسی حالت میں دیکھ لے جس میں دیکھا جانا پسندیدہ نہ ہو۔ ان کے سوا دوسرے اوقات میں نابالغ بچے اور گھر کے غلام عورتوں اور مردوں کے پاس، ان کے تخلیے کی جگہوں میں اور ان کے کمروں میں اجازت لیے بغیر آ سکتے ہیں۔ اس میں کسی کے لیے کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن ان تین وقتوں میں ضروری ہے کہ جب وہ خلوت کی جگہ آنے لگیں تو پہلے اجازت لے لیں۔ نابالغ بچوں کے لیے، البتہ بالغ ہو جانے کے بعد یہ رخصت باقی نہ رہے گی۔ اس دلیل کی بنا پر کہ یہ بچپن سے گھر میں آتے جاتے رہے ہیں، انھیں ہمیشہ کے لیے مستثنیٰ نہیں سمجھا جائے گا۔ بلوغ کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد ان کے لیے بھی ضروری ہوگا کہ عام قانون کے مطابق اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوں:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، لِیَسۡتَاۡذِنۡکُمُ الَّذِیۡنَ مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ وَالَّذِیۡنَ لَمۡ یَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡکُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ: مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوۃِ الۡفَجۡرِ، وَحِیۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِیَابَکُمۡ مِّنَ الظَّھِیۡرَۃِ، وَمِنۡ بَعۡدِ صَلٰوۃِ الۡعِشَآءِ، ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّکُمۡ، لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ وَلَا عَلَیۡھِمۡ جُنَاحٌۢ بَعۡدَھُنَّ، طَوّٰفُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ بَعۡضُکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ۔ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ، وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ۔ وَاِذَا بَلَغَ الۡاَطۡفَالُ مِنۡکُمُ الۡحُلُمَ فَلۡیَسۡتَاۡذِنُوۡا کَمَا اسۡتَاۡذَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ۔

’’ایمان والو، تمھارے غلام اور لونڈیاں اور تمھارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین وقتوں میں اجازت لے کر تمھارے پاس آیا کریں: نماز فجر سے پہلے اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمھارے لیے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ اُن پر۔ (اِس لیے کہ) تم ایک دوسرے کے پاس بار بار آنے والے ہو۔ اِس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور جب تمھارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح اجازت لیں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ اٰيٰتِهٖ ، وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (النور۲۴: ۵۸-۵۹)

جس طرح اُن کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اِس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔''

ثانیاً، ارشاد ہوا ہے کہ دوپٹے سے سینہ اور گریبان ڈھانپ کر رکھنے کا حکم ان بڑی بوڑھیوں کے لیے نہیں ہے جو اب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں، بشرطیکہ وہ زینت کی نمایش کرنے والی نہ ہوں۔ عورت کی خواہشات جس عمر میں مرجاتی ہیں اور اس کو دیکھ کر مردوں میں بھی کوئی صنفی جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اس میں سینے اور گریبان پر آنچل ڈالے رکھنا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا بوڑھی عورتیں اپنا یہ کپڑا مردوں کے سامنے اتار سکتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم پسندیدہ بات ان کے لیے بھی یہی ہے کہ وہ احتیاط کریں اور مردوں کی موجودگی میں اسے نہ اتاریں۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ، فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ، وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ، وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (النور۲۴: ۶۰)

''اور بڑی بوڑھیاں جو اب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں، وہ اگر اپنے دوپٹے اتار دیں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ زینت کی نمایش کرنے والی نہ ہوں۔ اور اگر احتیاط برتیں تو اُن کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سننے والا ہے، وہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

ثالثاً، وضاحت فرمائی ہے کہ لوگ خود ہوں یا ان کے مجبور و معذور اعزہ اور احباب جو انھی کے گھروں پر گزارہ کرتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے گھروں میں آئیں جائیں، ملیں جلیں اور مرد و عورت الگ الگ یا اکٹھے بیٹھ کر کھائیں پئیں، نہ ان کے اپنے گھروں میں، نہ باپ دادا کے گھروں میں، نہ ماؤں کے گھروں میں، نہ بھائیوں اور بہنوں کے گھروں میں، نہ چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں کے گھروں میں، نہ زیر تولیت افراد کے گھروں میں اور نہ دوستوں کے گھروں میں۔ اتنی بات، البتہ ضروری ہے کہ گھروں میں داخل ہوں تو اپنے لوگوں کو سلام کریں۔ یہ بڑی بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے جس سے باہمی تعلقات میں بہتری پیدا ہوتی ہے۔ ملنے جلنے کے جو آداب انھیں بتائے گئے ہیں، ان سے ربط و تعلق کے لوگوں کو سہارے سے محروم کرنا یا ان کی سوشل آزادیوں پر پابندی لگانا مقصود نہیں ہے۔ وہ اگر سمجھ بوجھ سے کام لیں تو ان آداب کی رعایت کے ساتھ یہ سارے تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔ اس سے مختلف کوئی بات اگر انھوں نے سمجھی ہے تو غلط سمجھی ہے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی ممنوع قرار دینا پیش نظر نہیں ہے:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ

''نہ اندھے کے لیے کوئی حرج ہے، نہ لنگڑے کے لیے اور نہ مریض کے لیے اور نہ خود تمھارے لیے کہ تم اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں

اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآءِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ، لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ـ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ، تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ، مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ـ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ، لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ـ (النور ۲۴: ۶۱)

کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اپنے زیر تولیت لوگوں کے گھروں سے یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ پیو۔ تم پر کوئی گناہ نہیں، چاہے مرد و عورت اکٹھے بیٹھ کر کھاؤ یا الگ الگ۔ (اتنی بات، البتہ ضروری ہے کہ) جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو، اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی ایک بابرکت اور پاکیزہ دعا۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عام حالات میں آداب یہی ہیں، لیکن مدینہ میں جب اشرار نے مسلمان شریف زادیوں پر تہمتیں تراشنا اور انھیں تنگ کرنا شروع کیا تو سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، آپ کی بیٹیوں اور عام مسلمان خواتین کو مزید یہ ہدایت فرمائی کہ اندیشے کی جگہوں پر جاتے وقت وہ اپنی چادروں کے پلو اوپر سے چہرے پر لٹکا لیا کریں تاکہ اخلاق باختہ عورتوں سے الگ پہچانی جائیں اور ان کے بہانے سے کوئی انھیں اذیت نہ دے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں جب رات کی تاریکی میں یا صبح منہ اندھیرے رفع حاجت کے لیے نکلتی تھیں تو یہ اشرار ان کے درپے آزار ہوتے اور اس پر گرفت کی جاتی تو فوراً کہہ دیتے تھے کہ ہم نے تو فلاں اور فلاں کی لونڈی سمجھ کر ان سے فلاں بات معلوم کرنا چاہی تھی۔[۵۶] ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا ، فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ـ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ، قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ، ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ـ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

''اور جو لوگ مسلمان عورتوں اور مردوں کو اُن چیزوں کے معاملے میں اذیت دیتے ہیں جن کا اُنھوں نے ارتکاب نہیں کیا ہے، (اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اُنھوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔ (اِس صورت حال میں)، اے پیغمبر، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ (باہر نکلیں تو) اپنی چادروں کے پلو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔ یہ

۵۶؎ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۳/ ۵۱۸۔ الکشاف، زمخشری ۳/ ۵۶۰۔

وَّالْـمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِھِمْ ثُمَّ لَا یُـجَاوِرُوْنَکَ فِیْھَآ اِلَّا قَلِیْلًا، مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْآ ، اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا۔

(۳۳: ۵۸۔۶۱)

اِس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (لونڈیوں سے الگ) پہچانی جائیں اور اُنھیں اذیت نہ دی جائے، اور اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ یہ منافق اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور وہ بھی جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ بھی جو مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے ہیں تو ہم اِن کے خلاف تمھیں اٹھا کھڑا کریں گے۔ پھر وہ مشکل ہی سے تمھارے ساتھ رہ سکیں گے۔ اِن پر پھٹکار ہو گی، جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور عبرت ناک طریقے سے قتل کر دیے جائیں گے۔''

ان آیتوں میں 'ان یعرفن فلا یوذین' کے الفاظ اوران کے سیاق وسباق سے بالکل واضح ہے کہ یہ کوئی مستقل حکم نہ تھا، بلکہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اوباشوں کے شر سے مسلمان عورتوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی نوعیت کی بعض مصلحتوں کے پیش نظر، عورتوں کو تنہا لمبا سفر کرنے اور راستوں میں مردوں کے ہجوم کا حصہ بن کر چلنے سے منع فرمایا۔[57] لہٰذا مسلمان خواتین کو اگر اب بھی اس طرح کی صورت حال کسی جگہ در پیش ہو تو وہ ایسی کوئی تدبیر دوسری عورتوں سے اپنا امتیاز قائم کرنے اور اپنی حفاظت کے لیے اختیار کر سکتی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی رعایت سے اور خاص آپ کی ازواج مطہرات کے لیے بھی اس سلسلہ کی بعض ہدایات اسی سورۂ احزاب میں بیان ہوئی ہیں۔ عام مسلمان مردوں اور عورتوں سے ان ہدایات کا اگرچہ کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن بعض اہل علم چونکہ ان کی تعمیم کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ان کی صحیح نوعیت بھی یہاں واضح کر دی جائے۔

سورہ پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے وہی اشرار اور منافقین جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، جب رات دن اس تگ و دو میں رہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے متعلق کوئی اسکینڈل پیدا کریں تاکہ عام مسلمان بھی آپ سے برگشتہ اور بدگمان ہوں اور اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ بھی بالکل برباد ہو کر رہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کا سد باب اس طرح کیا کہ پہلے ازواج مطہرات کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو دنیا کے عیش اور اس کی زینتوں کی طلب میں حضور سے الگ ہو جائیں اور چاہیں تو اللہ و رسول اور قیامت کے فوز و فلاح کی طلب گار بن کر پورے شعور کے ساتھ ایک مرتبہ پھر یہ فیصلہ کر لیں کہ انھیں اب ہمیشہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ اگر حضور کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرتی ہیں تو انھیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آپ کی رفاقت سے جو مرتبہ انھیں حاصل ہوا ہے،

۵۷؎ بخاری، رقم ۱۰۸۸۔ ابوداؤد، رقم ۵۲۷۲۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اس کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری بھی بہت بڑی ہے۔ وہ پھر عام عورتیں نہیں ہیں۔ ان کی حیثیت مسلمانوں کی ماؤں کی ہے۔ اس لیے وہ اگر صدق دل سے اللہ و رسول کی فرماں برداری اور عمل صالح کریں گی تو جس طرح ان کی جزا دہری ہے، اسی طرح اگر ان سے کوئی جرم صادر ہوا تو اس کی سزا بھی دوسروں کی نسبت سے دہری ہوگی۔ ان کے باطن کی پاکیزگی میں شبہ نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کی نگاہ میں بھی ہر طرح کی اخلاقی نجاست سے بالکل پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ ان کے مقام و مرتبہ کا تقاضا ہے اور اس کے لیے یہ چند باتیں اپنے شب و روز میں انھیں لازماً ملحوظ رکھنی چاہییں:

اول یہ کہ وہ اگر خدا سے ڈرنے والی ہیں تو ہر آنے والے سے بات کرنے میں نرمی اور تواضع اختیار نہ کیا کریں۔ عام حالات میں تو گفتگو کا پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ آدمی تواضع اختیار کرے، لیکن جو حالات انھیں درپیش ہیں، ان میں اشرار و منافقین مروت اور شرافت کے لہجے سے دلیر ہوتے اور غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس سے انھیں یہ توقع پیدا ہو جاتی ہے کہ جو وسوسہ اندازی وہ ان کے دلوں میں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس میں انھیں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے ایسے لوگوں سے اگر بات کرنے کی نوبت آئے تو بالکل صاف اور سادہ انداز میں اور اس طرح بات کرنی چاہیے کہ اگر وہ اپنے دل میں کوئی برا ارادہ لے کر آئے ہیں تو انھیں اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ یہاں ان کے لیے کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ، لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ، اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ، وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (۳۳:۳۲)	”نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، (اس لیے) اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو لہجے میں نرمی اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں خرابی ہے، وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے اور (اس طرح کے لوگوں سے) صاف سیدھی بات کیا کرو۔“

دوم یہ کہ اپنے مقام و مرتبہ کی حفاظت کے لیے وہ گھروں میں ٹک کر رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس ذمہ داری پر انھیں فائز کیا ہے، ان کے سب انداز اور رویے بھی اس کے مطابق ہونے چاہییں۔ لہٰذا کسی ضرورت سے باہر نکلنا ناگزیر ہو تو اس میں بھی زمانۂ جاہلیت کی بیگمات کے طریقے پر اپنی زیب و زینت کی نمایش کرتے ہوئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ ان کی حیثیت اور ذمہ داری، دونوں کا تقاضا ہے کہ اپنے گھروں میں رہ کر شب و روز نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام رکھیں اور ہر معاملے میں پوری وفاداری کے ساتھ اللہ اور رسول کی اطاعت میں سرگرم ہوں۔ تاہم کسی مجبوری سے باہر نکلنا ہی پڑے تو اسلامی تہذیب کا بہترین نمونہ بن کر نکلیں اور کسی منافق کے لیے انگلی رکھنے کا کوئی موقع نہ پیدا ہونے دیں:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ، وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی، وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ، وَاٰتِیْنَ	”اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح سج دھج نہ دکھاتی پھرو، اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الزَّکٰوۃَ ، وَاَطِعۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ۔ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ، اَھۡلَ الۡبَیۡتِ ، وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا ۔ (۳۳:۳۳)

دیتی رہو اور اللہ و رسول کی فرماں برداری کرو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے، اِس گھر کی بیبیو کہ تم سے (وہ) گندگی دور کرے (جو یہ منافق تم پر تھوپنا چاہتے ہیں) اور تمھیں پوری طرح پاک کردے۔''

سوم یہ کہ اللہ کی آیات اور ایمان و اخلاق کی جو تعلیم ان کے گھروں میں دی جا رہی ہے، دوسری باتوں کے بجائے وہ اپنے ملنے والوں سے اس کا چرچا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جس کام کے لیے منتخب فرمایا ہے، وہ یہی ہے۔ ان کا مقصد زندگی اب دنیا اور اس کا عیش و عشرت نہیں، بلکہ اسی علم و حکمت کا فروغ ہونا چاہیے:

وَاذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالۡحِکۡمَۃِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیۡفًا خَبِیۡرًا۔ (۳۳:۳۴)

''اور تمھارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور اُس کی نازل کردہ حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے، (اپنے ملنے والوں سے) اُس کا چرچا کرو۔ بے شک، اللہ بڑا ہی دقیقہ شناس ہے، وہ پوری طرح خبر رکھنے والا ہے۔''

اس کے بعد بھی معلوم ہوتا ہے کہ اشرار اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ اسی سورہ میں آگے اللہ تعالیٰ نے نہایت سختی کے ساتھ چند مزید ہدایات اس سلسلہ میں دی ہیں۔

فرمایا ہے کہ اب کوئی مسلمان بن بلائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں داخل نہ ہو سکے گا۔ لوگوں کو کھانے کی دعوت بھی دی جائے گی تو وہ وقت کے وقت آئیں گے اور کھانا کھانے کے فوراً بعد منتشر ہو جائیں گے، باتوں میں لگے ہوئے وہاں بیٹھے نہ رہیں گے۔

آپ کی ازواج مطہرات لوگوں سے پردے میں ہوں گی اور قریبی اعزہ اور میل جول کی عورتوں کے سوا کوئی ان کے سامنے نہ آئے گا۔ جس کو کوئی چیز لینا ہو گی، وہ بھی پردے کے پیچھے ہی سے لے گا۔

پیغمبر کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ جو منافقین ان سے نکاح کے ارمان اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، ان پر واضح ہو جانا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ازواج مطہرات سے کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ان کی یہ حرمت ہمیشہ کے لیے قائم کر دی گئی ہے۔ لہٰذا ہر صاحب ایمان کے دل میں احترام و عقیدت کا وہی جذبہ ان کے لیے ہونا چاہیے جو وہ اپنی ماں کے لیے اپنے دل میں رکھتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لوگوں کی یہ باتیں باعث اذیت رہی ہیں۔ اب وہ متنبہ ہو جائیں کہ اللہ کے رسول کو اذیت پہنچانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ بڑی ہی سنگین بات ہے۔ یہاں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی کسی نازیبا سے نازیبا حرکت کے لیے بھی کوئی عذر تراش لے، لیکن وہ پروردگار جو دلوں کے بھید تک سے واقف ہے، یہ باتیں اس کے حضور میں کسی کے کام نہ آسکیں گی:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ، لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِيِّ
اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡذَنَ لَكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ
اِنٰىهُ، وَلٰكِنۡ اِذَا دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا،فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ
فَانۡتَشِرُوۡا ، وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَدِيۡثٍ ۔ اِنَّ
ذٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِيَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ ،
وَاللّٰهُ لَا يَسۡتَحۡىٖ مِنَ الۡحَـقِّ ۔ وَاِذَا
سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا ، فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ
حِجَابٍ ۔ ذٰلِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَ
قُلُوۡبِهِنَّ ۔ وَمَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ
اللّٰهِ ، وَلَاۤ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ
اَبَدًا ۔ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ۔ اِنۡ
تُبۡدُوۡا شَيۡـًٔا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ ، فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ
شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ۔ لَا جُنَاحَ عَلَيۡهِنَّ فِىۡۤ اٰبَآئِهِنَّ
وَلَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ ، وَلَاۤ اِخۡوَانِهِنَّ ، وَلَاۤ اَبۡنَآءِ
اِخۡوَانِهِنَّ، وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ
وَلَا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ ، وَاتَّقِيۡنَ اللّٰهَ ، اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ۔

(۳۳:۵۳۔۵۵)

’’ایمان والو، نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، الا یہ کہ تمھیں کسی وقت کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے ۔ اِس صورت میں بھی اُس کے پکنے کا انتظار کرتے ہوئے نہ بیٹھو۔ ہاں، جب بلایا جائے تو آ ؤ۔ پھر جب کھا لو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ یہ باتیں نبی کے لیے باعث اذیت تھیں، مگر وہ تمھارا لحاظ کرتے رہے اور اللہ حق بتانے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اور نبی کی بیویوں سے تمھیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ طریقہ تمھارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور اُن کے دلوں کے لیے بھی ۔ اور تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کے بعد اُن کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے ۔تم کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ ہر چیز سے واقف ہے ۔ ان (بیبیوں) پر، البتہ اس معاملے میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنے میل جول کی عورتوں اور اپنے غلاموں کے سامنے ہوں ۔ اور اللہ سے ڈرتی رہو، بیبیو۔ بے شک، اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔‘‘

(باقی)

حافظ محمد ابراہیم شیخ

اہل جاہلیت کے دینی شعائر

[ڈاکٹر جواد علی کی کتاب ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' کے باب ۷۱ سے ماخوذ]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہر دین کے کچھ شعائر ہوتے ہیں۔ یہ شعائر اس کے لیے ایسی نشانی اور علامت ہوتے ہیں جو اسے دوسرے ادیان سے ممیّز کرتے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے عرب یعنی اہل جاہلیت کئی قبیلوں اور قوموں میں منقسم تھے۔ انھیں نہ کسی وحدت فکر نے جمع کیا ہوا تھا اور نہ کسی ایک حکومت یا ایک متفق علیہ عقیدے ہی نے باندھ رکھا تھا۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے کے دور یعنی زمانۂ جاہلیت کے تمام عربوں کے شعائر ایک ہی قسم کے ہوں۔

اہل جاہلیت کے مذاہب کے بارے میں جو معلومات ابھی بیان کی جائیں گی، وہ یا ان جاہلی عبارات سے حاصل شدہ ہیں جو زیادہ تر مغربی اور جنوبی عرب سے متعلق ہیں یا ان اسلامی ذرائع معلومات سے حاصل کی گئی ہیں جو ظہور اسلام سے کچھ عرصہ پہلے کے اہل حجاز اور نجد کے بعض علاقوں سے متعلق ہیں۔ اس سب کچھ کا ذکر قرآن کریم، حدیث نبوی اور کتب تفاسیر و سیرت میں آیا ہے یا پھر تاریخ کی ان کتابوں میں آیا ہے جن کا تعلق ظہور اسلام یا اس سے متصل جاہلی دور سے ہے۔

اہل جاہلیت کے دینی شعائر میں جو چیزیں سر فہرست ہیں، وہ بت اور ان کے معبد ہیں اور نماز و سجود، طواف، نذروں، اوقاف اور قسموں کے ذریعے سے بتوں کا قرب حاصل کرنا ہے۔ حصول تقرب کا مقصد یہ تھا کہ وہ بت اپنے پجاریوں پر احسان کریں اور صحت، عافیت، مال اور اولاد میں سے جس جس چیز کی انھیں خواہش ہو، عطا کریں۔ اب تک حاصل ہونے والی جاہلی تحریریں بھی کم و بیش انھی معلومات تک محدود ہیں اور اہل جاہلیت کے مذہب کے حوالے سے ان امور کے بارے میں جو کچھ تاریخی روایات میں آیا ہے، وہ بھی کم و بیش یہی ہے۔

نماز

جاہلی عبارات میں بتوں کے لیے اسلامی طریقۂ عبادت کے مطابق نماز پڑھنے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور مورخین کی روایات میں بھی نماز کی کوئی واضح اور صحیح شکل نہیں مل سکی ہے، البتہ یہود و نصاریٰ اور اہل عرب کی نمازوں سے متعلق کچھ معلومات ضرور موجود ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں مقررہ اوقات پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان کے اس معمول سے بعض اہل جاہلیت بھی باخبر تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اشعار میں اور اہل کتاب سے متعلق اپنی گفتگوؤں میں اسے بیان بھی کیا ہے۔

سورج کی پوجا کرنے والوں نے اس کا ایک بت بنا رکھا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کے رنگ کا ایک نگینہ تھا۔ اس بت کا ایک خاص گھر تھا جو انھوں نے اسی کے نام پر تعمیر کیا ہوا تھا۔ اس بت کے لیے بہت سی بستیاں اور زرعی زمینیں وقف تھیں۔ اس کے بہت سے خدام، منتظمین اور دربان تھے۔ وہ دن میں تین بار اس گھر میں آتے اور سورج کی نماز پڑھتے۔ وہاں مصیبت زدہ لوگ آتے اور اس بت کے لیے روزہ رکھتے، نماز پڑھتے، اسے پکارتے اور اس کی شفاعت کے طالب ہوتے۔ یہ سب کے سب سورج کو اس وقت سجدہ کرتے جب وہ طلوع ہوتا، غروب ہوتا اور آسمان کے درمیان میں ہوتا۔ اسی لیے ان تینوں اوقات میں شیطان بھی سورج کے ساتھ ہو جاتا، تاکہ ان کی عبادات اور سجدے اس کے لیے ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کی ظاہری مشابہت سے بچنے اور شرک و بت پرستی کا راستہ بند کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے قطعی طور پر منع کیا ہے۔[1] مشہور مورخ یعقوبی نے بھی بیان کیا ہے کہ عرب جب خانۂ کعبہ کے حج کا ارادہ کرتے تو ہر قبیلہ اپنے بت کے پاس کھڑا ہوتا اور اس کے پاس نماز پڑھتا پھر تلبیہ کہتا۔[2] بہرحال درج بالا دونوں خبروں میں اہل جاہلیت کے ہاں نماز کے وجود کا ثبوت موجود ہے۔ سورج کے پجاریوں کے بارے میں جو معلومات بیان ہوئی ہیں، ان سے خاص طور پر ان کے ہاں نماز کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دن میں تین بار اس کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

نماز اور ذکر کے مفہوم میں تسبیح کے لفظ کا استعمال بھی موجود ہے۔ یہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں کو کوڑے مارے جنھوں نے عصر کے بعد تسبیح کی یعنی نماز پڑھی۔ اور اعشیٰ کا قول ہے:

وسبّح علیٰ حین العشیّات و الضّحیٰ　　و لا تعبد الشیطان واللہ فاعبدا

''صبح وشام کے اوقات میں تسبیح کرو اور شیطان کی عبادت مت کرو، بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو۔''

---

[1] بلوغ الارب ۲/۲۱۵۔

[2] الیعقوبی ۱/۲۲۵۔

یہاں تسبیح سے مراد صبح وشام کی نماز ہے۔ چنانچہ اسی پر اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ"، کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو وقتوں یعنی صبح اور شام کی نماز کا حکم دیا ہے[۳]۔

اہل جاہلیت اپنے مردوں پر بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ میت کو چارپائی پر ڈالا جاتا، پھر اس کا ولی کھڑا ہوتا اور اس کے سارے محاسن بیان کرتا، اس کی تعریف کرتا اور پھر کہتا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ اس کے بعد اسے دفن کیا جاتا[۴]۔

لوگوں کے سورج اور چاند کو سجدہ کرنے کا بیان قرآن کریم میں بھی موجود ہے:

وَ مِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ ، وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ، وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔ فَإِنِ اسْتَكْبَرُوْا ، فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ هُمْ لَا يَسْأَمُوْنَ ۔ (حم السجدہ ۴۱: ۳۷۔ ۳۸)

''اور اسی کی نشانیوں میں سے رات اور دن، سورج اور چاند بھی ہیں۔ نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔ پھر اگر وہ تکبر کریں تو (وہ جان لیں کہ) جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی دن رات تسبیح کرتے ہیں اور اکتاتے نہیں ہیں۔''

ان آیات کی تفسیر میں امام طبری لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش کے یہ مشرکین، جن کے مابین آپ موجود ہیں، تکبر کریں اور اس بات کو گراں سمجھیں کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جس نے ان کو اور شمس وقمر کو پیدا کیا ہے تو وہ جان لیں کہ ملائکہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ اس بات پر نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ اسے گراں سمجھتے ہیں'' (۲۴/ ۷۷)

اہل سبا کے سورج کی عبادت کرنے اور اس کو سجدہ کرنے کا بیان درج ذیل آیات میں موجود ہے:

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَّقِيْنٍ ۔ إِنِّيْ وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَ أُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ، وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۔ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ ، فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۔

''اور میں ملک سبا سے ایک سچی خبر لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت اس پر حکمرانی کر رہی ہے اور اس کو سب کچھ حاصل ہے اور اس کا تخت بہت بڑا ہے۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو پوجتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیے ہیں، پس ان کو صحیح راہ سے روک دیا

۳؎ اللسان ۲/ ۴۷۳۔

۴؎ المحبر ۳۲۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہے، پس وہ راہ یاب نہیں ہو رہے ہیں۔'' (النمل ۲۷: ۲۲۔۲۴)

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ملکۂ سبا کی ایک کھڑکی تھی جو طلوع آفتاب کے رخ پر تھی۔ جب سورج نکلتا تھا تو وہ اس میں نمودار ہوتی تھی اور اسے سجدہ کرتی تھی[۵]۔

چنانچہ اس قوم کا سجدہ سورج کے لیے ہوا کرتا تھا اور یہ اس کی عبادت اور اس کی تعظیم کی خاطر ہوتا تھا۔

روزہ

جاہلی تحریروں میں روزے کی وہ شکل نہیں ملتی جو اہل کتاب یا مسلمانوں کے ہاں موجود ہے۔ لغت میں 'صوم' سے مراد کسی چیز سے رکنا یا اسے چھوڑنا ہے۔ روزہ دار کو کھانے، پینے اور شہوت سے رکنے، جبکہ خاموش شخص کو گفتگو سے باز رہنے کی وجہ سے صائم کہا جاتا ہے۔ سورۂ مریم میں ہے:

فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْٓ : اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا ، فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ۔ (۱۹:۲۶)

''اور اگر کوئی آدمی معترض ہو تو اس سے اشارے سے کہہ دیجیو کہ میں نے خدائے رحمٰن کے لیے روزے کی منت مان رکھی ہے، تو آج میں کسی انسان سے کوئی بات نہیں کر سکتی''۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہاں 'صوم' سے مراد 'صمت' یعنی خاموشی ہے، کیونکہ آیت کا آخری حصہ' فلن اکلم الیوم انسیا' اسی معنی کو تقویت دے رہا ہے۔ اسی طرح 'صوم' کا معنی صبر بھی ہے۔

اسلام میں روزے کے اصول مدنی سورتوں نے مقرر کیے ہیں، کیونکہ روزے کا زیادہ تر بیان مدنی سورتوں میں ہوا ہے۔ مکی سورتوں میں روزے کا بیان صرف ایک جگہ سورۂ مریم کی اسی آیت میں ہوا ہے جو ابھی اوپر بیان ہوئی ہے۔

یہود و نصاریٰ کا روزہ ان اہل جاہلیت کے ہاں معروف تھا جن کا اہل کتاب کے ساتھ میل ملاپ تھا۔ مثال کے طور پر اہل یثرب کو یہود کے روزوں کا علم تھا، کیونکہ وہ ان کے درمیان موجود تھے۔ عراق اور شام کے عربوں کو نصاریٰ کے روزوں کا علم تھا، کیونکہ ان میں ایسے عرب قبائل موجود تھے جو عیسائی ہو گئے تھے، جبکہ اہل مکہ بالخصوص احناف (دین حنیف پر قائم لوگوں) اور تاجر حضرات کو اہل کتاب کے روزوں کا علم تھا۔ ان کو راہبوں کے روزوں کا بھی علم تھا جس کی شکل یہ تھی کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت پر غور و فکر کرنے کے لیے خاموش رہا جائے، سوچ بچار کی جائے اور خلوت میں بیٹھا جائے۔ تاریخی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت میں سے ان کے مسلک کو اختیار کرنے والے لوگ خاموشی، سوچ بچار، گفتگو سے پرہیز اور

۵؎ تفسیر طبری ۱۹/ ۹۴۔ تفسیر قرطبی ۱۳/ ۱۹۰۔

غار حرا یا مکہ کے دوسرے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں خلوت اختیار کرنے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ قریش یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ اس دن جشن کرتے، عید مناتے اور کعبہ کو غلاف پہناتے۔ انھوں نے اس روزے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قریش نے دور جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تھا جس کا ان کے دلوں پر بڑا بوجھ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس کے کفارہ کے لیے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ پھر انھوں نے شکرانے کے طور پر اس دن کا روزہ جاری رکھا۔[6] یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دور جاہلیت سے عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ آئے تو آپ نے اس پر عمل جاری رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا، یہاں تک کہ رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہو گیا۔

علما نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ قریش نے دور جاہلیت میں اس دن کا روزہ سابقہ شریعت کی پیروی میں رکھا تھا اور وہ بیت الحرام کو غلاف پہنا کر اس دن کی تعظیم کیا کرتے تھے۔[7] بعض علما کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ ہجری کے شروع میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ پھر جب رمضان کا حکم نازل ہو گیا تو جو چاہتا یہ روزہ رکھتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔ وہ قریش کے اس دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے ہاں ایک بڑا قحط آیا تھا۔ پھر جب وہ ان سے ہٹا دیا گیا تو انھوں نے شکرانے کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا۔[8]

صاحب ''زاد المعاد'' لکھتے ہیں:

> ''قریش اس دن کی تعظیم کیا کرتے تھے اور اسی دن کعبے کو غلاف پہناتے تھے، جبکہ روزہ آخری درجے میں اس دن کی تعظیم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یوم عاشورہ کے روزے کو باقی تمام دنوں پر فوقیت دیتے تھے، چنانچہ آپ رمضان کی فرضیت سے قبل یہ روزہ رکھتے رہے۔ پھر جب رمضان فرض ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے اس کو چھوڑ دے۔ لیکن جب آپ خود بطور نفل یہ روزہ باقاعدگی سے رکھتے رہے تو آپ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ اگلے سال ہم ۹ ذی الحج کو بھی روزہ رکھیں گے۔ لیکن اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ رحلت فرما گئے۔'' (۱/۱۶۴)

قریش کا یہ معمول بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے ہاں قحط پڑتا تھا تو اس کے ختم ہونے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اور اپنی دعا کی قبولیت پر اس کی حمد وثنا کرنے کے لیے روزہ رکھتے تھے۔[9]

---

۶ بلوغ الارب ۲/۲۸۸۔

۷ ارشاد الساری ۳/۴۲۱۔

۸ ارشاد الساری ۶/۱۷۴۔

۹ ارشاد الساری ۶/۱۷۴۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محدثین نے بھی یوم عاشورہ کا روزہ بیان کیا ہے۔ان میں سے بعض نے اسے وہ روزہ قرار دیا ہے جو اسلام میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے تھا، جبکہ بعض کی رائے ہے کہ یہ ہجرت کے دوسرے سال تک فرض تھا، پھر رمضان کے روزوں سے منسوخ ہو گیا۔

قرآن کریم میں مکی و مدنی، دونوں طرح کی سورتوں میں روزے کا ذکر موجود ہے۔ دونوں جگہ اس کے متعلق وحی کا نازل ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روزہ قدیم دینی شعائر میں سے ہے اور قریش کو اس کا علم تھا۔ سورۂ مریم کی مذکورہ آیت سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 'صوم' سے مراد محض کھانے اور پینے ہی سے رکنا نہیں تھا، بلکہ نبوت کے ابتدائی زمانے میں گفتگو سے باز رہنا بھی تھا۔

قریش کے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کی یہ روایت ان دوسری روایات سے مطابقت نہیں رکھتی جو ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کی کیفیت بیان کرتی ہیں۔ ان کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو انھوں نے یہود کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ وجہ پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ وہی دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں ہم ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم دیا۔ لیکن جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ یوم عاشورہ کے روزے کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا۔[۱۰] یہ بھی بیان ہوا ہے کہ خیبر اور مدینہ کے یہودی عاشورہ کے روزے کی بڑی قدر کیا کرتے تھے اور اس دن کو عید کے طور پر منایا کرتے تھے۔[۱۱]

یہود کے ہاں عاشورہ کا دن جسے کفارے کا دن بھی کہا جاتا ہے رکنے اور کٹنے کا دن ہے۔ یہ عیدالمظال سے پانچ دن قبل واقع ہوتا ہے یعنی ۱۰ التشری کے دن اور یہی دن یوم الکبور (Kipur) بھی ہے۔ اس دن کا روزہ غروب آفتاب سے لے کر اگلے دن کے غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔ اس دن کی حرمت ''سبت'' کی حرمت کے مانند ہے۔ اور اسی دن سب سے بڑا یہودی عالم (کاہن اعظم) 'قدس الاقداس' (یہودی عبادت خانہ ''قُبّۃ الھیکل'' کی سب سے زیادہ مقدس جگہ) میں اس دن کے خاص دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے داخل ہوتا ہے۔[۱۲]

علماے تفسیر و حدیث نے روزے کی فرضیت اور اس سے قبل کے معاملے میں بہت زیادہ اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مسلمان انھی کی طرح کے پچاس روزے رکھتے رہے، یہاں تک کہ ابوقیس بن صرمہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے

---

۱۰ تفسیر طبری ۲/ ۲۶۵۔

۱۱ ارشاد الساری ۴/ ۴۲۳۔

۱۲ قاموس الکتاب المقدس ۲/ ۲۶۰۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معاملے کے بعد مسلمانوں کے لیے طلوع سحر تک کھانا، پینا اور جماع کرنا حلال کر دیا گیا[13]۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ رمضان کی فرضیت سے قبل لوگ ہر ماہ تین دن روزہ رکھتے تھے اور یہ روزے بھی فرض نہیں، بلکہ نفل تھے[14]۔ بہر حال نہ اہل اسلام پر ماہ رمضان کے روزوں کے علاوہ کوئی روزہ فرض کیے جانے کے ثبوت کے لیے کوئی روایت موجود ہے اور نہ کوئی ایسی فیصلہ کن روایت ہی موجود ہے جو یہ بتائے کہ مسلمان مدینہ ہجرت کرنے سے قبل مکہ میں بھی روزے رکھتے تھے۔

ابوصرمہ انصاری اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے قصے کا عاشورے کے روزے یا روزوں کی تعداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس قصے کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ تفسیر طبری[15] کے مطابق یہ ہے کہ ابتدا میں مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا تھا کہ رمضان میں روزہ افطار کر لینے کے بعد جب تک وہ نہ سوئیں، ان کے لیے کھانا، پینا اور بیویوں کے پاس جانا حلال ہے۔ مگر جب وہ سو جائیں تو یہ سب کام پہلے کی طرح حرام ہیں۔ مسلمان اسی حکم پر قائم رہے، یہاں تک کہ ایک دن ابوقیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ افطار کے فوراً بعد سو گئے۔ ان دنوں وہ مدینہ کے باغات میں مزدوری کیا کرتے تھے۔ جب وہ اٹھے تو انھوں نے کچھ کھانے پینے سے انکار کر دیا اور روزہ رکھ لیا۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات اپنی ایک لونڈی سے مباشرت کر لی۔ چنانچہ درج ذیل آیت کے نزول سے یہ حکم ان سے منسوخ ہو گیا:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ ......۔ (البقرہ ۲:۱۸۷)

''تمھارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کیا گیا ہے۔ وہ تمھارے لیے بمنزلۂ لباس ہیں اور تم ان کے لیے بمنزلۂ لباس ہو۔ اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے......۔''

معلوم ہوتا ہے کہ عاشورے کے دن قریش کے روزے کی روایت بعد میں آنے والی روایت ہے۔ کیونکہ نہ اس کی تائید کرنے والی کوئی سند ہے اور نہ اس دن قریش کا روزہ رکھنا ہی سمجھ میں آتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک مشرک قوم تھے۔ عاشورہ کا روزہ یہود کے روزوں میں سے ہے اور یہ ان کے ہاں کفارے اور استغفار کا روزہ ہے۔ آخر قریش اس دن کیوں استغفار کریں گے اور کیوں روزہ رکھیں گے؟ اور انھوں نے وہ کون سا گناہ کیا تھا جس کی اپنے معبودوں سے معافی مانگیں گے؟ چنانچہ اگر اہل جاہلیت کے ہاں کوئی روزہ تھا تو زیادہ قرین قیاس ہے کہ ''احناف'' ہی وہ روزہ رکھتے ہوں گے۔ تاریخی روایات میں ان کے عاشورہ یا غیر عاشورہ میں روزہ رکھنے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ دوسری طرف تفسیر، حدیث اور تاریخ سب کے علما یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کا روزہ مدینہ آ کر رکھنا شروع کیا اور رمضان کے روزے فرض ہونے تک

---

[13] تفسیر طبری ۲/۷۵۔

[14] تفسیر طبری ۳/۷۶۔

[15] ۲/۹۴۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

رکھتے رہے۔ چنانچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ راویوں نے بلا تحقیق عاشورہ کے روزے میں قریش کا نام ڈال دیا ہے تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ روزہ بھی ان قدیم عربی سنن میں سے ہے جو اسلام سے قبل تھیں اور یہ کہ قریش اسلام سے قبل روزہ رکھتے تھے۔

مورخین کی روایات کے مطابق اہل جاہلیت کا روزہ کھانے، پینے اور عورتوں کے پاس جانے سے رکنے کا روزہ بھی تھا ـــــ اور یہی اسلام کا روزہ ہے ـــــ اور گفتگو سے باز رہنے اور زبان کو روکنے کا بھی۔ یہ روزہ کم مدت کے لیے بھی ہو سکتا تھا جیسے ایک دن یا ایک ہفتہ اور زیادہ مدت کے لیے بھی۔ سورۂ مریم میں اسی روزے کا بیان ہے[16]۔ روایت کیا گیا ہے کہ اہل جاہلیت میں سے ''زہاد'' یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

خاموشی کا روزہ بطور نذر بھی رکھا جاتا تھا۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبیلۂ احمس کی ایک عورت زینب سے ملے تو آپ نے دیکھا کہ وہ بولتی نہیں تھی۔ وجہ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے کہا: بات چیت کرو، کیونکہ ایسا روزہ جائز نہیں ہے، بلکہ یہ جاہلی اعمال میں سے ہے۔ چنانچہ اس نے بات چیت شروع کر دی اور پھر آپ کے ساتھ ایک طویل گفتگو کی[17]۔

گزشتہ ساری بحث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'تصمیت' یعنی خاموشی کا روزہ اہل جاہلیت کے افعال میں سے تھا، ان کے ہاں معروف و معلوم تھا اور شاید یہ ان کی اہل کتاب سے اثر پزیری کا نتیجہ تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تحنث

اہل جاہلیت کے عبادت کے طریقوں میں سے تحنث بھی ہے۔ اس سے مراد بتوں کی عبادت کرنا اور ان کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اسی سے متعلق حکیم بن حزام کا یہ قول ہے:

> ''تم نے ان امور کے بارے میں غور کیا جن کے ذریعے سے میں دور جاہلیت میں عبادت کیا کرتا تھا جیسے صلۂ رحمی کرنا اور صدقہ کرنا اور میں انھی اعمال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا کرتا تھا۔'' (تاج العروس ۱/۶۱۶)

تحنث کے معنی تنہائی اختیار کرنا بھی ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال غار حرا میں ایک خاص ماہ اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہ قریش کے ان طریقوں میں سے تھا جو وہ دور جاہلیت میں عبادت کے لیے اختیار کیا کرتے تھے۔ اس دوران میں آپ کے پاس جو مسکین آتا آپ اسے کھانا کھلاتے تھے۔ اعتکاف پورا کرنے کے بعد جب آپ واپس آتے تو سب سے پہلے کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرتے تھے اور پھر اپنے گھر کو لوٹتے تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ وہ خاص مہینا رمضان

---

[16] تفسیر طبری ۲/۹۴۔

[17] ارشاد الساری ۶/۱۷۵۔

کا ہوتا تھا۔[18]

ختنہ

اہل جاہلیت کے دینی شعائر میں سے ختنہ کرنا بھی ہے۔اور یہ ان شعائر میں سے ہے جو بہت عام تھے۔وہ 'اغرل' یعنی غیر مختون شخص کو برا سمجھتے تھے۔ان میں سے بعض بالخصوص اہل مکہ لڑکیوں کا بھی ختنہ کراتے تھے۔ختنہ کرنے کے اس عمل پر خواتین مقرر تھیں۔چنانچہ وہ اس شخص کو بھی برا سمجھتے تھے جس کی ماں عورتوں کے ختنے کرتی ہو، لہٰذا جب وہ کسی کی مذمت کرنا چاہتے تو اسے ''عورتوں کا ختنہ کرنے والی کا بیٹا'' کہہ کر بلاتے، اگرچہ اس کی ماں ختنہ کرنے والی نہ ہو۔[19]

غسل جنابت اور میت کا غسل

جہاں تک جنابت کے بعد غسل کرنے اور مردوں کو غسل دینے کا تعلق ہے تو یہ ان سنن میں سے ہیں جنھیں اسلام میں برقرار رکھا گیا ہے۔غسل میت کا بیان جاہلی شاعر افوہ اودی کے ایک شعر میں ہوا ہے، جبکہ مردوں کی تکفین اور نماز جنازہ کا بیان اعشی اور بعض دوسرے جاہلی شعرا سے منسوب اشعار میں موجود ہے۔بیان کیا گیا ہے کہ قریش اپنے مردوں کو غسل دیا کرتے تھے اور ان کو خوشبو لگایا کرتے تھے۔لیکن جیسا کہ ہم آغاز میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ اہل عرب دینی امور میں مختلف تھے۔لہٰذا نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ باتیں تمام عربوں میں رائج تھیں اور نہ یہ دعویٰ ہی کیا جا سکتا ہے کہ یہ امور ان کے ہاں دینی شعائر تھے۔البتہ، مشرکین کے غسل جنابت نہ کرنے کا بیان موجود ہے۔چنانچہ مفسرین نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ سورۂ توبہ کی درج ذیل آیت میں لفظ 'نجس' سے مراد مشرکین کا جنبی ہونا ہے:

يَـآ اَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَـجَـسٌ، فَلَا يَـقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَـامِهِـمْ هٰـذَا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ، فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اِنْ شَآءَ۔(۹:۲۸)

''ایمان والو، یہ مشرکین بالکل نجس ہیں تو یہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمھیں معاشی بدحالی کا اندیشہ ہو تو اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو مستغنی کر دے گا۔''

تفسیر طبری میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نام اس لیے دیا ہے کہ وہ حالت جنابت میں غسل نہ کرتے تھے۔چنانچہ فرمایا کہ وہ ناپاک ہیں، لہٰذا

---

۱۸ تفسیر طبری ۲/ ۳۰۰۔

۱۹ تاج العروس ۴/ ۵۲۔

وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں، اس لیے کہ جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ مشرکین اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لاتے تھے اور اس کی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب ان کے مکہ میں داخلے کی ممانعت کا یہ حکم نازل ہوا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمارے کھانے پینے کے سامان کا کیا ہوگا؟ تو آیت کا یہ حصہ 'وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ، فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَآءَ' نازل ہوگیا۔'' (۱۰/۷۴-۷۵)

قربانی اور حج

قربانیاں، نذریں، عبادت گاہوں کی زیارتیں اور حج جاہلی عربوں کی عظیم اکثریت کے ہاں نمایاں ترین دینی شعائر ہی نہیں، بلکہ کم وبیش کل دین کا مترادف تھے۔ ان کی زندگی کے معاملات اور مفادات سے ان شعائر کا گہرا تعلق تھا۔ وہ یہ سب کام اپنے معبودوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے تھے تاکہ وہ ان کو وافر غلہ اور مال عطا کریں۔ چنانچہ دعا کرنے کے ہر موقع پر وہ دنیوی مال ومتاع ہی مانگا کرتے تھے۔ تفسیر طبری میں ہے کہ حج میں وقوف عرفات کے وقت ان کی یہ دعا ہوا کرتی تھی: ''اے اللہ ہمیں بکریوں کا ریوڑ عطا کر، اے اللہ ہمیں اونٹوں کا گلہ عطا کر۔''[20] درج ذیل آیت میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے:

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا، وَ مَا لَه' فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ (البقرہ ۲:۲۰۰)	''لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں کامیابی عطا کر، حالانکہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔''

وہ مجبور تھے۔ اپنی غربت اور بھوک کو مٹانے کے لیے نذروں، قربانیوں اور حج کے ذریعے سے اپنے معبودوں کا قرب حاصل کریں۔ اس امید پر کہ وہ ان پر مہربانی کریں گے اور انھیں مال، کشائش، برکت اور صحت عطا کریں گے۔ وہ ان سے وابستہ رہتے تھے۔ وہ لاٹری (قسمت کی پرچیاں) یا گھوڑوں کی دوڑ کی ٹکٹیں بیچنے والے غریبوں اور محتاجوں کو منافع اور انعام کا لالچ دیا کرتے تھے۔

اسی مادی نظریے نے ان کے عام لوگوں کو ابھارا کہ وہ اپنے معبودوں کو یہ دھمکی دیں کہ اگر انھوں نے ان کی دعائیں نہ سنیں تو وہ نذریں پیش کرنے اور زیارت کرنے سے باز رہیں گے، لہٰذا وہ ان کی فرمایشیں اور مطالبات پورے کریں۔ مگر بعد میں اسی نظریے نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اپنی ان دھمکیوں سے رجوع کریں، معافی مانگیں، اظہار ندامت کریں اور اپنے معبودوں کو نئے سرے سے راضی کریں۔

---

[20] ۱۷۴/۲۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حلال وحرام

''التاریخ الکبیر'' میں ابن عساکر قبیلۂ خثعم کے ایک فرد سے منسوب روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''عرب کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال نہ کرتے تھے۔ اور وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور انھی سے فیصلے کراتے تھے۔'' (۱/۳۱۷)

اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ وہ حلال وحرام کا خیال رکھتے تھے۔ اور کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار ان کے مذہبی رہنماؤں کے پاس تھا۔ یعقوبی نے بھی عربوں کے ادیان اور شعائر پر بات کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مختلف قوموں سے میل جول رکھنا، دوسرے شہروں کی طرف آنا جانا اور چارے اور غلے کی تلاش میں پھرنا، وہ اسباب تھے جن کی بنا پر عرب مختلف مذاہب رکھتے تھے۔ چنانچہ قریش اور معد بن عدنان کی اکثر اولاد دین ابراہیم کے کچھ حصے کو اختیار کیے ہوئے تھی۔ وہ خانۂ کعبہ کا حج کرتے، مناسک ادا کرتے، مہمانوں کو ٹھیراتے، حرمت والے مہینوں کی تعظیم کرتے اور فحش کاموں، قطع رحمی اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکتے اور جرائم پر سزا دیتے تھے۔'' (الیعقوبی ۱/۲۲۴)

گویا انھوں نے لفظ ''دین'' کے مفہوم میں وہ امور داخل کیے ہیں جن کا شمار آج معروفات اور قواعد اخلاق و کردار میں کیا جاتا ہے۔ نیز وہ انھیں سنت ابراہیمی میں شمار کرتے ہیں یعنی عربوں کا وہ قدیم دین جو بتوں کی پرستش کی خرابی سے قبل تھا۔

اسی موضوع پر ادب ولغت کے ماہر سکری لکھتے ہیں:

''عرب دوسری امتوں سے مختلف تھے۔ وہ دس اعمال بجالاتے تھے۔ ان میں سے پانچ چہرے سے متعلق تھے یعنی کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک (دانتوں کی صفائی) کرنا، بالوں میں مانگ نکالنا اور مونچھیں تراشنا۔ جبکہ پانچ جسم سے متعلق تھے یعنی ختنہ کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، بغلوں کے بال نوچنا، ناخن تراشنا اور استنجا کرنا۔ یہ اعمال عربوں کے ساتھ مخصوص تھے اور دوسری قوموں میں نہ پائے جاتے تھے۔'' (المحبر ۳۲۹)

گویا ان کی رائے میں یہی دس امور عرب کے شعائر ہیں۔ بہر حال یہ شعائر سارے عرب میں رائج تھے اور یہ دوسری امتوں کے بجائے صرف انھی میں خاص تھے۔ البتہ ایسے بہت سے امور ہیں جن میں سکری کی رائے کو بعینہٖ تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے مواقع پر تو اپنی بات کی تردید وہ خود ہی کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ انھوں نے ایک گروہ کے بارے میں لکھا ہے: ''وہ حساب کتاب پر یقین رکھتے تھے'' اور ''وہ مردار نہیں کھاتے تھے''۔ پھر انھوں نے اپنی رائے کو سارے عرب پر عام کر دیا، حالانکہ یہ اہل جاہلیت کے صرف ایک گروہ کی رائے تھی، کیونکہ قرآن کریم نے ان کو حساب کتاب کے انکار کا مجرم گردانا ہے اور مسلمانوں پر مردار کا گوشت کھانا حرام کیا ہے۔[۲۱]

۲۱؎ بحوالہ روح المعانی ۶/۵۱۔

www.javedahmadghamidi.com / www.al-mawrid.org

عرب جاہلیت میں مردار کھایا کرتے تھے۔ حارثہ بن اوس کلبی ان میں سے ہیں جنھوں نے اپنے لیے مردار کھانا حرام ٹھیرایا ہوا تھا اور وہ جاہلی شاعر ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

لا آكل الميتة ما عمرت نفسي وإن أبرح املاقي

والعقد لا أنقض منه القوى حتى يوارى القبر أطباقي

''جب تک میں زندہ ہوں مردار نہ کھاؤں گا، اگرچہ میری مفلسی برقرار رہے۔ اور جب تک میں زندہ ہوں اور قبر میرے جوڑ بند نہیں ڈھانپ لیتی، میں اپنے پختہ وعدوں میں سے کوئی نہ توڑوں گا۔'' (المحبر ۳۲۹)

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد بلال

نبی کریم کا جہاد وقتال

[مدیر ''اشراق'' کے افادات پر مبنی]

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دین اصل میں دین جہاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی غزوات میں بہ نفس نفیس حصہ لیا۔ کئی سرایا منظم کیے۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ جہادی مصروفیات میں گزرا، حتیٰ کہ آپ نے وفات سے کچھ دیر قبل بھی حضرت اسامہ بن زید کی قیادت میں ایک جہادی مہم روانہ کی۔ آپ کا اس بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے؟

جواب: ہم ''جہاد وقتال کے شرائط'' کے عنوان سے سوال کا جواب دیتے ہوئے بہ دلائل یہ بات واضح کر چکے ہیں[1] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ نمائے عرب میں غلبۂ حق قائم کرنے پر مامور تھے۔ اس لیے آپ نے قانون اتمام حجت کی رو سے اپنے سرکش مخاطبین میں سے قریش کو موت اور اہل کتاب کو مغلوبیت کی سزا دینی تھی۔ اسی طرح آپ نے جزیرہ نمائے عرب میں فتنہ (Persecution) کا خاتمہ کرنا تھا۔ ابتداءً آپ نے اپنے مخاطبین کو قلبی طور پر اسلام کے تابع کرنے کی بھرپور سعی وجہد کی، مگر اکثر مخاطبین نے آپ کا انکار کیا، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے آپ پر جنگیں مسلط کیں۔ چنانچہ بدر، احد اور احزاب میں آپ نے دفاعی جہاد کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے مذکورہ مقصد بعثت کی تکمیل اور فتنے کے استیصال کے لیے اپنے سرکش مخاطبین کے خلاف بلاشبہ اقدامی جہاد وقتال بھی کیا، جس میں کئی غزوات اور سرایا شامل ہیں۔ یہاں یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں اسلام اور مسلمانوں کے سیاسی غلبے کے لیے اور قانون اتمام حجت کی رو سے کیے جانے والا یہ جہاد وقتال ایک ایسا خدائی معاملہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ اس کا تعلق شریعت سے نہیں ہے۔ اس میں ہمارے لیے کوئی اسوہ نہیں ہے۔ یہ دراصل ایک قیامت صغریٰ تھی جو قیامت کبریٰ کی حسی دلیل بنا کر پیش کی گئی۔ اس میں اللہ ورسول کے فرماں برداروں کو ان کی فرماں برداری کے لحاظ سے جزا ملی اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانی کے لحاظ سے سزا۔

---

[1] دیکھیے، ''اشراق''، جنوری ۲۰۰۲ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس سلسلے میں ضمنی طور پر یہ بات پیش نظر رکھیے کہ جس دور میں تاریخ اسلام لکھی گئی، اس وقت تاریخ نویسی زیادہ تر جنگ و جدال اور فتوحات کے ذکر پر مبنی ہوتی تھی۔ کسی قوم کے اندر سیاسی اور سماجی حالات میں امن و محبت کے اوصاف کتنی ہی زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہوں، تاریخ دان اس کی جنگوں ہی کو قابل اعتنا سمجھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی جنگوں کا ذکر بہت نمایاں انداز میں کیا گیا ہے۔

نبی کریم اور صحابہ کے بعد جہاد کی بنیاد

سوال: قانون اتمام حجت کی رو سے اگر جہاد و قتال نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے ساتھ خاص تھا تو ان کے بعد جہاد و قتال کن بنیادوں پر کیا جا سکتا ہے؟

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے بعد جہاد و قتال صرف ظلم و عدوان کے خلاف ہی کیا جا سکتا ہے۔ انسانوں کی جان و مال اور عقل و رائے کے خلاف ہر اقدام ظلم و عدوان ہے۔ دین نے ظلم و عدوان کی دو صورتوں کو موضوع بنایا ہے۔ ایک صورت فتنہ اور دوسری صورت مسلمانوں کے خلاف زیادتی کے حوالے سے بیان ہوئی ہے۔ ذیل میں ہم ان دونوں صورتوں کی وضاحت کرتے ہیں۔

پہلی صورت

فتنہ کا مطلب ہے کہ کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرنا۔ اس ظلم و جبر کے لیے انگریزی میں Persecution کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر فتنہ کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس ظلم و جبر کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن اسے قتل سے بڑا جرم قرار دیتا ہے[2]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آزمایش کے لیے انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے آزادانہ فیصلے سے جو دین اور جو نقطۂ نظر چاہیں اختیار کریں، لہٰذا جو شخص یا گروہ کسی کو بالجبر اس کا دین چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے تو وہ درحقیقت انسان کے لیے خدا کی پوری اسکیم کو بے معنی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اس زمین پر اسلام قبول کرنے والوں کے لیے فتنہ کی جو حالت پیدا کر دی گئی ہے، اسے ختم کرنے کے لیے تلوار اٹھائیں اور اس وقت تک برابر اٹھائے رکھیں جب تک یہ حالت باقی ہے[3]۔ سورۂ نساء میں یہ حکم اس انداز سے دیا گیا:

> ''اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے نہیں لڑتے جو فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا، ہمیں اس ظالموں کی بستی سے نکال اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ہم درد پیدا کر دے اور ہمارے لیے اپنے

---

[2] البقرہ ۲: ۱۹۱۔

پاس سے مددگار پیدا کر دے۔ (تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جولوگ ایمان لائے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو منکر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ لہٰذا تم بھی شیطان کے ان حامیوں سے لڑو۔ شیطان کی چال ہر حال میں بودی ہوتی ہے۔'' (۴: ۷۵۔۷۶)

لہٰذا اب بھی اللہ کی زمین پر کہیں کوئی فتنہ سر اٹھائے تو مسلمانوں کی حکومت اگر اتنی قوت رکھتی ہو کہ وہ اس کا استیصال کر سکے تو اس پر لازم ہے کہ وہ مظلوموں کی مدد کے لیے جہاد کا اعلان کر دے۔

دوسری صورت

اگر کوئی مسلمان گروہ کسی دوسرے مسلمان گروہ کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرے تو قرآن مجید کی ہدایت یہ ہے کہ ظلم کرنے والے گروہ کے خلاف جنگ کی جائے۔ سورۂ حجرات میں ہے:

''اور مسلمانوں کے دو گروہ اگر کبھی آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ مصالحت کرا دو اور ٹھیک ٹھیک انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے ان بھائیوں کے مابین صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (۴۹: ۹۔۱۰)

مطلب یہ ہے کہ دو مسلمان گروہ آپس میں لڑیں تو دوسرے مسلمان اسے پرایا جھگڑا سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔ وہ عدل و انصاف کے ساتھ ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کریں۔ اگر کوئی گروہ مصالحت پر راضی نہ ہو یا راضی ہونے کے بعد پھر ظلم و عدوان کا رویہ اختیار کرے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ طاقت رکھتے ہوں تو اپنی حکومت کے تحت اس گروہ کے خلاف جہاد و قتال کریں۔ مسلمانوں کے خلاف ظلم و عدوان کی دوسری صورتوں کو بھی سورۂ حجرات کے اسی حکم الٰہی کے تحت دیکھنا چاہیے۔

۳؎ البقرہ ۲: ۱۹۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

روز جزا اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے

انسان جب خدا کی پروردگاری کے اہتمام کو دیکھتا ہے تو یہیں سے اس پر علم و معرفت کا ایک اور دروازہ کھلتا ہے۔ یہ دروازہ ایک روز جزا و سزا کی آمد کا دروازہ ہے۔ جس دن تنہا وہی، پورے اختیار کے ساتھ انصاف کی کرسی پر بیٹھے گا اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانیوں کی انصاف کے ساتھ سزا دے گا اور نیکوں کو ان کی نیکیوں کا فضل و رحمت کے ساتھ صلہ دے گا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خدا کی پروردگاری اور اس کی رحمانیت اور رحیمیت کی نشانیاں ایک روزِ جزا و سزا کی آمد کو کس طرح لازم کرتی ہیں؟ اس سوال کا جواب تھوڑی سی وضاحت کا طالب ہے۔

خدا کی پروردگاری سے روزِ جزا پر استدلال قرآنِ مجید نے جگہ جگہ اس طرح کیا ہے کہ جس خدا نے تمھارے لیے زمین کا فرش بچھایا اور آسمان کا شامیانہ تانا، جس نے تمھارے لیے سورج اور چاند چمکائے، جس نے ابر و ہوا جیسی چیزوں کو تمھاری خدمت میں لگایا، جس نے تمھارے تمام ظاہری اور باطنی، روحانی اور مادی مطالبات کا بہتر سے بہتر جواب مہیا کیا، کیا اس خدا کے متعلق تم یہ گمان کرتے ہو کہ بس اس نے تمھیں یوں ہی پیدا کر دیا ہے اور پیدا کر کے بس یوں ہی چھوڑ دے گا؟ یہ تمام کارخانہ محض کسی کھلنڈرے کا ایک کھیل ہے جس کے پیچھے کوئی غایت و مقصد نہیں ہے؟ تم ایک شتر بے مہار کی طرح اس سرسبز و شاداب چراگاہ میں بس چرنے کے لیے چھوڑ دیے گئے ہو، نہ تم پر کوئی ذمہ داری ہے اور نہ تم سے کوئی پرسش ہوگی؟ اگر تم نے یہ سمجھ رکھا ہے تو نہایت غلط سمجھ رکھا ہے۔ پرورش کا یہ سارا اہتمام پکار پکار کر شہادت دے رہا ہے کہ یہ اہتمام کسی اہم غایت و مقصد کے لیے ہے اور یہ ان لوگوں پر نہایت بھاری ذمہ داریاں عاید کرتا ہے جو بغیر کسی استحقاق کے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ایک دن ان ذمہ داریوں کی بابت ایک ایک شخص سے پرسش ہوگی اور وہی دن فیصلہ کا ہوگا۔ جنھوں نے اپنی ذمہ داریاں ادا کی ہوں گی، وہ سرخ رو اور فائز المرام ہوں گے اور جنھوں نے ان کو نظر انداز کیا ہوگا، وہ ذلیل اور نامراد ہوں گے۔ یہ مضمون قرآنِ مجید میں مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے، لیکن اختصار کے خیال سے صرف ایک مثال

نقل کرتے ہیں:

''کیا ہم نے زمین کو تمھارے لیے گہوارا نہیں بنایا اور اس میں پہاڑوں کی میخیں نہیں ٹھونکیں؟ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور تمھاری نیند کو دافعِ کلفت بنایا۔ رات کو تمھارے لیے پردہ پوش بنایا اور دن کو حصولِ معاش کا وقت ٹھیرایا اور ہم نے تمھارے اوپر سات مضبوط آسمان بلند کیے اور روشن چراغ بنایا اور ہم نے بدلیوں سے دھڑا دھڑ پانی برسایا تاکہ اس سے ہم غلے اور نباتات اگائیں اور گھنے باغ پیدا کریں۔ بے شک فیصلہ کا دن مقرر ہے۔'' (النبا ۷۸: ۶۔۷)

''بے شک فیصلہ کا دن مقرر ہے۔'' یعنی یہ چیزیں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ جس نے یہ اہتمام انسان کے لیے کیا ہے، وہ انسانوں کو یوں ہی شتر بے مہار کی طرح چھوڑے نہیں رکھے گا، بلکہ اس کی نیکی یا بدی کے فیصلے کے لیے فیصلہ کا ایک دن بھی لائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمان اور رحیم ہونے کا یہ لازمی نتیجہ قرار دیا ہے کہ ایک ایسا دن بھی وہ لائے جس میں اچھوں اور بروں کے درمیان انصاف کرے، نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا صلہ دے، اور بدکاروں کو ان کی برائیوں کی سزا دے۔ ایک رحمان اور رحیم ہستی کے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ظالم اور مظلوم، نیکوکار اور بد، باغی اور وفادار، دونوں کے ساتھ ایک ہی طرح کا معاملہ کرے، ان کے درمیان ان کے اعمال کی بنا پر کوئی فرق نہ کرے۔ نہ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دے نہ مظلوم کی مظلومیت کا ظالم سے انتقام لے۔ اگر زندگی کا یہ کارخانہ اسی طرح ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد جزا و سزا اور انعام و انتقام کا کوئی دن آتا نہیں ہے تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ العیاذ باللہ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کی نگاہوں میں متقی اور مجرم، دونوں برابر ہیں، بلکہ مجرم نسبتاً اچھے ہیں جن کو جرم کرنے اور فساد برپا کرنے کے لیے اس نے بالکل آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ یہ چیز بداہتہً غلط اور اس کے رحمان اور رحیم ہونے کے بالکل منافی ہے۔ چنانچہ اس نے نہایت واضح الفاظ میں اس کی تردید فرمائی۔ مثلاً:

''کیا ہم اطاعت کرنے والوں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے، تمھیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟''

(القلم ۶۷: ۳۶)

اور اپنے رحمان اور رحیم ہونے کا یہ لازمی نتیجہ بتایا ہے کہ ایک دن وہ سب کو جمع کر کے انصاف کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

''اس نے اپنے اوپر رحمت واجب کر لی ہے، وہ قیامت تک، جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، تم کو ضرور جمع کر کے رہے گا۔'' (الانعام ۶: ۱۲)

اس سے صاف واضح ہے کہ قیامت دراصل خدا کی رحمت کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت واجب کر رکھی ہے۔ اس وجہ سے وہ فیصلے کا ایک دن ضرور لائے گا جس میں وہ سب کو اکٹھا کر کے ان کے درمیان انصاف فرمائے گا۔ اور یہ

بھی عین اس کی اس رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ اس دن کسی کو مجال نہ ہوگی کہ اس کے فیصلوں میں کوئی مداخلت کر سکے اور اپنی سفارشوں سے حق کو باطل یا باطل کو حق بنا سکے، بلکہ ہر ایک کے لیے بالکل بے لاگ اور پورا پورا انصاف ہوگا۔

اس سے یہ نکتہ بھی واضح ہوا کہ عدل اور رحمت میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ عدل عین رحمت ہی کا تقاضا ہے۔

______ مولانا امین احسن اصلاحی

اولاد کی تربیت کا صحیح راستہ

[مدیرِ ''اشراق'' کے افادات سے مرتب کیا گیا]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہمارے معاشرے میں اکثر والدین اپنی اولاد کی دینی اور اخلاقی تربیت کے حوالے سے پریشان رہتے ہیں۔ جب بچے بلوغ کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تو والدین کی پریشانی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے دین کی باتوں پر عمل کریں، باقاعدگی سے نماز پڑھیں، روزے رکھیں، قرآن کی تلاوت کریں۔ اسی طرح ان کی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی اولاد پاکیزہ عادتیں اپنائے، برے طور طریقوں سے گریز کرے اور اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں سنجیدگی اختیار کرے۔ ان چیزوں کو اپنے بچوں میں پیدا کرنے کے لیے وہ بالعموم سختی اور زبردستی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تربیت و اصلاح کا واحد راستہ جبر ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ اصلاح کے اس طریقے کو اختیار کرنے کے بعد، بچوں کی مختلف طبیعتوں اور مختلف حالات کے لحاظ سے تین ہی طرح کے نتائج نکلتے ہیں۔

اس کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض دھیمے مزاج والے بچے اپنی شخصیت کو ختم کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے عمل میں ان چیزوں کو اختیار کر لیتے ہیں جو نہ ان کے شعور کا حصہ بنی ہوتی ہیں اور نہ ان کے ذوق وشوق سے مطابقت رکھتی ہیں۔ وہ والدین کے حکم پر نماز، روزہ اور دوسرے دینی احکام پر باقاعدگی سے عمل کر رہے ہوتے ہیں، مگر ان اعمال کے پیچھے شعور اور ارادے کی کوئی قوت نہیں ہوتی۔ وہ چہرے پر داڑھی بھی سجا لیتے ہیں اور خاص طرح کا لباس بھی پہن لیتے ہیں، مگر ان چیزوں کے لیے ان پر بے دلی اور بے رغبتی ہی کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ اس صورتِ حال میں، ان کے اندر زندگی کا جوش و جذبہ اور کچھ کر گزرنے کی امنگ، کم و بیش ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس کا دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض تیز مزاج والے بچے باغیانہ طرزِ عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ باتیں جنھیں ان کے دل و

دماغ نے قبول نہیں کیا ہوتا، وہ ان پر عمل پیرا ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ دین واخلاق کی باتیں محض دقیانوسی تقریریں ہیں، ہم اپنی زندگی کو اس کے مطابق نہیں ڈھال سکتے۔ والدین کی طرف سے سختی کے جواب میں وہ ردعمل کی ایسی نفسیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ضد اور سرکشی کے رویے ان کی طبیعت کا حصہ بن جاتے ہیں اور وہ بعض اوقات ان باتوں کو بھی ماننے سے انکار کر دیتے ہیں جنھیں ان کی عقل بالکل ٹھیک قرار دے رہی ہوتی ہے۔

اس کا تیسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض معتدل مزاج والے بچے منافقت کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ والدین کے سامنے ان کی مرضی کا اور ان کی عدم موجودگی میں اپنی مرضی کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ والدین یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ان کے بچے ایک خاص دینی اور اخلاقی زندگی گزار رہے ہیں، مگر حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

ان تینوں میں سے کوئی نتیجہ بھی مثبت اثرات کا حامل نہیں ہے۔ ان میں سے ہر نتیجہ بچوں کی تہذیبِ نفس میں رکاوٹ بننے کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی اور جسمانی صحت پر بھی منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اس میں اولاد کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اصل غلطی والدین کے تربیت کے طریقے میں پائی جاتی ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس ساخت پر پیدا کیا ہے کہ پہلے وہ کسی بات کو اپنے ذہن وفکر اور شعور و ارادے کا حصہ بناتا ہے اور اس کے بعد اپنے عمل کو اس کے مطابق کرتا ہے۔ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے صرف جانور کے لیے رکھا ہے کہ اس کو جس طرف ہانکا جائے وہ اسی طرف مڑ جائے۔ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دو ہی راستوں سے کوئی بات قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ ایک عقل کے راستے سے اور دوسرے جذبات کے راستے سے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں نے ہمیشہ انسان کے ذہن کو مخاطب بنایا ہے اور اس کے درِ دل پر دستک دی ہے۔

والدین اگر اپنی اولاد کی صحیح معنوں میں تربیت کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے پرانے طریق کار کو یکسر بدل دیں۔ اس مقصد کے لیے انھیں چاہیے کہ وہ دینی واخلاقی تربیت کے حوالے سے جو بات بھی اپنے بچوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، پہلے اسے ان کے شعور کا حصہ بنائیں۔ سختی، دھونس، دباؤ، زبردستی اور جبر کے تمام طریقے ترک کر دیں۔ ان کے علم کو اور ان کے فہم کو بہتر کریں۔ اور سقراط کی اس بات کو پلے باندھ لیں کہ صحیح علم ہی سے صحیح عمل تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی اہتمام کریں کہ بچے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اچھی صحبت میں گزاریں۔ وہ انھیں ایسا پاکیزہ ماحول فراہم کریں کہ بچے غیر محسوس طریقے سے پاکیزگی کو اپناتے چلے جائیں۔ اولاد کی تربیت واصلاح کا واحد راستہ یہی ہے۔ اس کے علاوہ جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا، وہ گھر کی فضا میں گھٹن یا سرکشی یا منافقت کے سوا کوئی اور چیز پیدا نہیں کر سکے گا۔

_____ منظور الحسن

سننا اور سمجھنا

ایک دفعہ ہمارے ایک دوست پاکستان کے سیاست دانوں پر تبصرہ کر رہے تھے۔ دورانِ گفتگو میں انھوں نے ایک بڑا ہی بامعنی جملہ استعمال کیا، وہ کہنے لگے: ''ہمارے دو بڑے سیاست دانوں کا حال یہ ہے کہ ایک سنتی نہیں دوسرا سمجھتا نہیں۔''

واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں پانے یا کھودینے کی بنیاد یہی دو چیزیں ہیں۔ پوری کی پوری زندگی سننے اور سمجھنے کا نام ہے۔ انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ کان رکھتے ہوئے بہرہ بن جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بینائی موجود ہوتی ہے اور وہ دنیا میں اندھا بن کر جی رہا ہوتا ہے۔

قرآنِ مجید کی ان آیات میں ایسے ہی عاقبت سے غافل لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

''اور ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو بالکل بے خبر ہیں۔'' (الاعراف ۷:۱۷۹)

قرآنِ مجید ہی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کو اصل روشنی دل کے نور سے ملتی ہے۔ دل کا نور اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی عطا کر دیتے ہیں۔ یہ چراغ اس کے سینے میں روزِ اول سے روشن ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے خود غرضی، لالچ اور ہوس کی آندھیوں سے بچائے رکھے اور بجھنے نہ دے۔ یہ چراغ اگر بجھ جائے تو بصارت موجود ہونے کے باوجود انسان بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے۔

انسان اپنے چاروں جانب بے شمار نشانیوں کو دیکھتا ہے جو اس دنیا میں غلط کار لوگوں کے انجام اور آخرت کے سچ ہونے کی گواہی دیتی ہیں، مگر وہ اپنی اغراض اور اس دنیا کے منافع کے لیے انھیں نظر انداز کر دیتا ہے۔ وہ ان سے آنکھیں بند کر کے ایسی راہ پر چل نکلتا ہے جو اسے آخرت سے دور لے جاتی ہے حتیٰ کہ قدرت کی گرفت میں آنے والے بدنصیبوں کا عبرت ناک انجام بھی اسے خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ آخرت میں جواب دہی کے احساس سے بے پروا ہو کر اپنا دن گزارنے والے رات کو جب بستر پر لیٹتے ہیں تو اس حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں کہ:

''اے انسان تو کشاں کشاں اپنے خداوند ہی کی طرف جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔'' (الانشقاق ۸۴:۶)

وہ اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ جو دن گزرتا ہے، وہ انھیں خدا کی عدالت کے اور قریب کر دیتا ہے۔ وقت اپنی رفتار سے چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ زندگی اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے اور مہلت حیات ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر جب موت سر پر آ کھڑی ہوتی ہے تو:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''اللہ ہرگز کسی جان کو ڈھیل دینے والا نہیں، جب کہ اس کی مقررہ مدت آپہنچے گی۔'' (المنافقون ۶۳: ۱۱)

فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انھیں برزخ میں قید کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جب قیامت میں دوزخ کے دروازے پر پہنچیں گے تو جہنم کا داروغہ ان سے سوال کرے گا:

''کیا تمھارے پاس کوئی اس دن سے خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا۔'' (الدھر ۶۷: ۸)

وہ جواب دیں گے کہ بے شک ہمیں اس برے انجام سے آگاہ کر کے ڈرانے والا تو آیا تھا، مگر ہم نے اس کی بات کو دیوانے کی بڑ سمجھا ورنہ:

''ہم (اگر) سننے والے اور سمجھنے والے ہوتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ بنتے۔'' (الملک ۶۷: ۱۰)

_____ محمد اسلم نجمی

خدا کو دھوکا دینا ___ ایک مہلک مرض

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خدا کو دھوکا دینا مذہبی اقوام کا ایک مشترکہ مرض ہے، یہود کی یہ داستان قرآن میں بیان کی گئی ہے کہ وہ کس طرح قرآن کے نزول سے پہلے خود اپنے ہاتھ سے شریعت لکھتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے وہ حیلے تحریر کرتے اور خدا کی شریعت کے ساتھ کھیلتے۔ صدیوں کے تعامل سے خدا کو دھوکا دینے کی یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ جب قرآنِ مجید نازل ہوا، تو یہود نے اس موقع پر بھی خدا کو (نعوذ باللہ) جل دینے کی کوشش کی۔

اس کا بیان قرآنِ مجید میں آیا ہے:

''وہ اللہ اور اہلِ ایمان، دونوں کو فریب دینا چاہتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اپنے آپ ہی کو فریب دے رہے ہیں، لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے۔'' (البقرہ ۲: ۹)

دھوکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے طریقے سے جرم کیا جائے کہ شریعت یا فقہ کے ظاہری ڈھانچے کی پیروی بھی ہو جائے اور وہ کام بھی ہو جائے جو شریعت کے منشا کے خلاف تھا۔ اس کی ایک مشہور مثال یہود کا سبت کے دن کا حیلہ ہے، جس میں وہ سبت کے دن بظاہر شکار بھی نہ کرتے اور اس حیلے کے ذریعے سے مچھلیاں بھی پکڑ لیتے۔

امت مسلمہ میں بھی دھوکے کا یہ مرض عام ہے۔ اسی مرض کی وجہ سے ہم نے کئی حرام اشیا اپنے اوپر حلال کر لی ہیں اور کئی ممنوع کاموں کے لیے راستے نکال لیے ہیں۔ سود کی کئی شکلیں ہم نے اپنے لیے اسی طریقے سے حلال کر رکھی ہیں۔ خدا کو

دھوکا دینے کا ایک سادہ راستہ ہم نے یہ نکالا ہوا ہے کہ اپنے حالات مولوی صاحب کو بتا کر مجبوری ثابت کر کے ان سے فتویٰ لے لیا اور پھر خواہ وہ مجبوری ہو یا نہ ہو، اس پر عمل کرتے رہے اور اپنی تسلی کے لیے اسی فتوے کو کافی سمجھا۔ اس کی سادہ مثال زکوٰۃ دینے میں ہے۔ لوگوں کو فقہا کا یہ فتویٰ معلوم ہے کہ جس پر قرض ہو، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ اب لوگ اس موقع پر زکوٰۃ نہیں دیتے کہ جب ان پر قرض ہو، خواہ قرض کی مقدار معمولی ہو۔ مثلاً، بعض اوقات زکوٰۃ پچاس ہزار روپے بن رہی ہوگی اور قرض اس سے کہیں تھوڑا سا ہوگا، مگر اس بہانے سے زکوٰۃ روک لی جائے گی۔

اس طرح کے اور بھی کئی حیلے ہیں، مثلاً عربوں کو زکوٰۃ دیتے وقت دیکھا گیا ہے کہ جب وہ زکوٰۃ دیتے ہیں تو ان کی زکوٰۃ سیروں کے حساب سے زیورات کی صورت میں نکلتی ہے۔ زکوٰۃ کا حساب وہ پوری دیانت داری سے کرتے ہیں۔ ان زیورات کو وہ ایک بالٹی میں ڈالتے ہیں اور ان زیورات کے اوپر چار پانچ سیر گندم ڈال کر اسے ڈھانپ دیتے ہیں۔ پھر وہ بالٹی کسی فقیر کو دے دی جاتی ہے جو زکوٰۃ لینے کے لیے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔ جب فقیر وہ بالٹی لے کر چل پڑتا ہے تو گھر کا کوئی فرد اس کے پیچھے جا کر اس سے پوچھتا ہے کہ آیا یہ گندم بیچنے کے لیے ہے؟ تو وہ اس فقیر سے یہ چار پانچ کلو گندم دو ڈھائی سو روپے میں خرید کر گھر لے آتا ہے۔ جس کے نیچے لاکھوں روپے کی مالیت کے زیورات چھپے ہوتے ہیں۔ بظاہر تو اس میں انھوں نے زکوٰۃ پوری دیانت داری سے نکالی اور فقیر کو دے دی اور اس کے علم میں آنے سے پہلے اس سے وہ چند سو روپوں میں خرید لی گئی۔

اس کے بعد حیلہ باز ذہن یہ سمجھتا ہے کہ اس نے خدا کے قانون کے مطابق پوری زکوٰۃ ادا کی، اب وہ فقیر سے بالٹی بھر گندم اس کی مرضی سے خرید کر لایا ہے۔ حالانکہ وہ خدا کو دھوکا دے رہا ہے۔ اس نے حقیقت میں بس وہی رقم زکوٰۃ میں نکالی ہے جو اس نے بالٹی بھر گندم کو خریدنے میں صرف کی ہے۔

ہم کاروبار میں، لین دین میں اور اس طرح کے بے شمار مواقع پر ایسا ناجائز قانونی اور شرعی راستہ نکالتے ہیں کہ بظاہر اسے ہم شرعی طریقے پر کر رہے ہوتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ ویسا نہیں ہوتا۔

واضح رہنا چاہیے کہ انسان کے اعمال کا اجر وثواب اس کی نیت کے مطابق ملے گا نہ کہ اس کے ظاہر کے مطابق۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرے، اور جماعت صحابہ میں شریک رہے، مگر اس کی نیت خدا کی رضا نہ ہو تو اسے اس کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ اگر اس نے ایسا منافقت یا ریا کاری کی وجہ سے کیا ہے تو اسے اس کی سزا بھی ملے گی، اس لیے کہ یہ مومنین اور خدا کو دھوکا دینا ہے۔

یہ تقویٰ کے لیے ایک مہلک مرض ہے۔ ایسا شخص کبھی تقویٰ کی نعمت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ تقویٰ کا مسکن دل کا نگر ہے۔ اگر اس نگر میں فریب اور دھوکا رہنے لگ جائے تو پھر تقویٰ یہاں نہ پیدا ہو سکتا ہے اور نہ یہاں ٹک ہی سکتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ تقویٰ کے طالب ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر سے اس طرح کے تمام افکار و اعمال کو کرید کرید کر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نکالیں، جن کی بنیاد اسی دھوکے پر ہے۔

ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ سمجھتے ہیں کہ اس فریب اور اس دھوکے کے ایک ایک جز کے نکلنے پر دل کی اس زمین میں تقویٰ و نیکی کا ایک ایک پودا اگتا چلا جائے گا، جو رفتہ رفتہ شجرِ طیبہ کی شکل اختیار کرے گا۔ جس کے بارے میں قرآنِ مجید میں آیا ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں کہ اسے اکھاڑ نا ممکن نہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک بلند ہیں کہ جنھیں خزاں کی بادِ سموم سے کوئی اندیشہ نہیں۔

اللہ ہمیں اس مرض کے دل سے کریدنے میں مدد فرمائے، اور اس شجرِ طیبہ کی نشو و نما کی توفیق عطا فرمائے۔

ـــــــ ساجد حمید

جھوٹ اور دانائی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بچپن میں جھوٹ بولنا میرے لیے ایک مشکل کام تھا۔ بعد میں بھی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا۔ بے اختیاری میں منہ سے جھوٹ نکل جاتا اور میں خاموش رہتا۔ سوچ سمجھ کر جھوٹ بولنے کی ابتدا اس وقت ہوئی، جب دستاویزات سے واسطہ پڑا۔ شروع شروع میں بڑی الجھن ہوتی، لیکن جب اپنے ان دوستوں سے مشورہ کیا جو دین دار بھی تھے اور سرکاری ملازم بھی تو ان کا کہنا تھا: جھوٹ بولنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اگر تم سچ بولو گے تو یہ تمھارا جرم تصور کیا جائے گا۔ لہٰذا سال میں ایک دو بار جھوٹ لکھنا میرا طریقہ بن گیا، مگر ذہنی خلجان پھر بھی باقی رہا۔

ایمان و تصدیق کی بنیاد اخلاص اور سچ پر ہے۔ آدمی سچے دل سے اللہ کو حاضر جان کر اس کی بندگی کا اقرار کرتا ہے تو اس کا ایمان معتبر ہوتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۷ آیۂ بر کے نام سے مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمانِ مفصل، مال کی محبت کے علی الرغم اس کے انفاق، نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی، عہد کی پاس داری اور سختیوں اور جنگ میں ثابت قدمی کو نیکیوں میں شمار کیا ہے اور ان اعمال صالحہ پر کار بند لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے: ''یہی لوگ ہیں جو سچے اور پرہیز گار ہیں۔'' گویا یہ اعمال سچ اور تقویٰ کے ثمرات ہیں اور ان کی افزایش انھی دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ یہی بات ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے:

''یقیناً سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت تک لے جاتی ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الادب)

اس جہاںِ رنگ و بو میں انسان کو دی گئی دسترس یہ جانچنے کے لیے ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟

''اللہ ضرور چھانٹ کر رہے گا کہ کون ایمان میں سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ممیّز کر دکھائے گا۔'' (العنکبوت ۲۹: ۳)

’’یہ سچے ایمان والے ہی ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تائید کی، اپنے گھروں سے نکالے گئے، ہجرت کی اور فقر کو اختیار کیا۔‘‘ (الحشر ۵۹: ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا فرمایا کرتے تھے:

’’اے اللہ، میں تجھ سے نفسانی بیماریوں سے محفوظ دل اور سچی زبان مانگتا ہوں۔‘‘ (سنن نسائی)

پھر ایسا کیوں ہے کہ جھوٹ اس دنیا میں جاری وساری ہے۔ ہر طرف اس کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ اکثر لوگوں کو چار وناچار جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو جھوٹ کے زور پر دانا اور سمجھ دار بنے ہوئے ہیں۔ معاشرہ انھیں اہم مقام دیتا ہے۔ دنیا میں کامیاب لوگوں کو دیکھیں، وہ حسب ضرورت جھوٹ بول لیتے ہیں، اور اسے عیب نہیں سمجھتے۔ دانش ور صبح سے شام تک جھوٹ بولتے نظر آتے ہیں۔ بڑے بڑے واعظین وہ نصیحتیں کرتے ہیں جن پر خود عمل پیرا نہیں ہوتے۔ سچ بولنے والوں کو کئی موقعوں پر کنارہ کشی کرنا پڑتی ہے، کیونکہ وہ جھوٹ کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے اور جھوٹ بولنے والے پیش قدمی کر جاتے ہیں۔ یوں جھوٹوں کی اکثریت ہوگئی ہے اور سچے اقلیت میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

کیا ایسا ہی رہے گا اور سچ کا بول بالا نہ ہوگا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں شیطان کو چھوٹ ملی ہوئی ہے اور انسان بھی اپنی من مانی کرنے میں آزاد ہے۔ جھوٹ بول کر اسے فوراً نفع ملتا ہے تو وہ پا لیتا ہے اور سچ کہہ کر سولی پر نہیں چڑھتا۔ سچ اور جھوٹ کی اس کشمکش ہی میں ہماری آزمایش ہے کہ ہم دنیا کے اندر ملنے والی فانی منفعت کو اہمیت دیتے ہیں یا آخرت میں غیر فانی نعمتوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سچ کو غالب کرنے کے لیے سچوں کی اکثریت ہونی چاہیے اور ایسا دین کی تبلیغ وتفہیم ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ معاشرے میں ایمان راسخ ہوگا تو جھوٹ کے قدم اکھڑ جائیں گے اور سچ کہنے والوں کی راہیں آسان ہو جائیں گی۔ سر دست ایسے لوگ ڈھونڈے سے نہیں ملتے، جو دنیوی طور پر بھی سمجھ دار مانے جاتے ہوں اور جھوٹ سے گریز بھی کرتے ہوں۔ یہ جنس واقعی بہت کم یاب ہے۔ یہاں تو دروغ گوئی کا نام دانائی رکھ دیا گیا ہے۔

بعض اوقات محض وقتی فائدے کا مسئلہ نہیں ہوتا، بلکہ زندگی اور موت میں سے، ایک کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اگرچہ جھوٹ بول کر جان بچانے کی اجازت ہے، لیکن صریح جھوٹ سے پھر بھی بچا جا سکتا ہے اور ذومعنی جملہ بول کر حقیقت چھپائی جا سکتی ہے۔ پھر ایسے صاحبِ عزیمت بھی گزرے ہیں جنھوں نے سخت دشوار حالات میں بھی سچ کا دامن نہیں چھوڑا، سختیاں جھیلی ہیں اور جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ہمیں بھی اللہ سے قلب سلیم اور سچی زبان کی دعا مانگنی چاہیے۔ اللّٰہ تسالك قلباً سلیماً ولساناً صادقاً۔

—— محمد وسیم اختر مفتی

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عبدالرؤف

''اسلام اور سیاست''

مرتبہ: محمد اسحاق ملتانی،

صفحات: ۳۴۴،

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسلام نے انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے بارے میں بھی انسان کی رہنمائی کی ہے۔ یہ رہنمائی اصولوں کی حد تک ہے، اس کی تفصیلات طے کرنے سے بوجوہ احتراز کیا گیا ہے۔ اجتماعی زندگی میں سیاست کا شعبہ سب سے اہم تصور کیا جاتا ہے، اس لیے کہ باقی شعبہ ہائے زندگی پر اس کے اثرات غیر معمولی ہوتے ہیں۔ اسلام نے سیاست کے بارے میں کیا رہنمائی دی ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہمارے ہاں مختلف نقطہ ہائے نظر موجود ہیں۔ کچھ لوگ سرے سے اسلام اور سیاست کے تعلق کے قائل ہی نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں کے ہاں اسلام میں سیاست کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اسی بنا پر کہا جانے لگا ہے کہ انھوں نے ترجیحات کی ترتیب الٹ دی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھا ہے اور اسلام کے دور اول یعنی خلافت راشدہ کو بنیاد بنا کر اصول وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ بالا تینوں نقطہ ہائے نظر کے حاملین پاکستانی معاشرے میں موجود ہیں۔ بیان کیے گئے پہلے دو نقطہ ہائے نظر کی نمائندگی کے لیے تحریریں موجود تھیں، مگر تیسرے نقطۂ نظر یعنی دیو بند کے نقطۂ نظر کی تفہیم کے لیے ایک طالب علم کو مواد کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ زیر تبصرہ کتاب دراصل اسی نقطۂ نظر کے حامل علماے کرام کی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ فاضل مرتب نے اس کتاب میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا محمد متین الخطیب اور مفتی عتیق الرحمٰن کی ان تحریروں کو جمع کیا ہے جو کسی نہ کسی طرح موضوع سے متعلق ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی کوئی باقاعدہ تحریر تو اس موضوع پر موجود نہیں تھی، اس لیے ان کے خیالات اور نظریات ان کی دیگر کتابوں سے جمع کر دیے گئے ہیں۔

کتاب کو ان عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے: حکیم الامت کے سیاسی افکار، ووٹر کی شرعی حیثیت، مروجہ سیاست کے شرعی احکام، مذہب اور سیاست، شریعت و سیاست، ووٹ کی اسلامی حیثیت، اسلام میں جمہوریت کا تصور، غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام، عورت کی سربراہی، اسلامی مملکت میں حکومت الٰہیہ اور اسلامی حکومت کا بنیادی اصول شوریٰ۔

کتاب کا پہلا باب مولانا تقی عثمانی صاحب کا مقالہ ہے جس میں انھوں نے مولانا اشرف علی تھانوی کے سیاسی افکار پر گفتگو کی ہے۔ یہی گفتگو کتاب کا سب سے اہم حصہ ہے۔ مقالہ نگار نے عہد حاضر کے ان مفکرین اور مصنفین پر تنقید کی ہے جنھوں نے سیاست اور حکومت کو اسلام کا مقصود اصلی قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی ان نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس مقدمے سے نکلتے ہیں۔ مقالہ نگار کے نزدیک مولانا اشرف علی تھانوی پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس باریک غلطی کو واضح کیا۔ قرآن کی آیت 'الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوة واتوا الزکوٰة وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر' کا حوالہ دے کر کہا گیا ہے کہ سیاست مقصود اصلی نہیں ہے، بلکہ دیانت مقصود اصلی ہے۔ مقالہ نگار کے نزدیک موجودہ زمانے میں جمہوریت کی شہرت کی وجہ اس کا پروپیگنڈہ ہے۔ ان کے الفاظ میں:

> ''اگر کوئی صاحب جمہوری حکومت کی بجائے شخصی حکومت کی حمایت کرے تو ایسا شخص آج کی سیاسی فضا میں تقریباً کلمۂ کفر کہنے کا مرتکب سمجھا جانے لگا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مولانا اشرف علی تھانوی جمہوریت کے مقابلے میں شخصی حکومت کے قائل تھے اور تقی عثمانی صاحب نے جمہوریت کے خلاف مختلف دلائل اکٹھے کیے ہیں۔ مثال کے طور پر غزوۂ احد میں پہاڑی پر متعین صحابۂ کرام کی اکثریت نے فیصلہ کیا کہ مال غنیمت کو حاصل کرنے کے لیے جگہ چھوڑ دی جائے۔ حضرت صدیق اکبر کا مانعین زکوٰۃ سے معاملہ، جبکہ صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر کو ان کے خلاف اقدام کرنے سے روکے رکھا۔

تقی عثمانی صاحب نے جمہوریت کے خلاف کار لائل اور بعض دیگر مغربی مصنفین کے حوالے بھی دیے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی سیاست میں صرف مقصد کا نیک اور شریعت کا موافق ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے طریقۂ کار اور اس کی تدبیروں کا بھی شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح مولانا اشرف علی تھانوی علما اور حکومت کے درمیان تقسیم کار کے قائل نظر آتے ہیں۔ حکومت کو ہر اقدام سے پہلے علما سے پوچھنا چاہیے۔ مزید براں حکومت کو نصیحت علانیہ نہیں، بلکہ خلوت میں کرنی چاہیے۔ حکومت سے اختلاف میں ان کی رائے یہ ہے کہ جو اختلاف حکمت، مصلحت، دین اور خیر خواہی پر مبنی ہو، وہ مذموم نہیں، مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔ یہ اختلاف اسی وقت تک جائز ہے، جب تک کہ مشورہ کا درجہ رہے، مگر بعد از نفاذ اختلاف کرنا مذموم ہے، نفاذ کے بعد اطاعت ہی واجب ہے۔ مولانا تھانوی بلا ضرورت حکام کے خلاف بولنے کو نہ صرف خلاف شریعت سمجھتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک اس سے حکام کے بارے میں دلوں سے ہیبت

اٹھ جاتی ہے جوان کے خیال میں امن امان اور مجرموں کی سرکوبی کے لیے ضروری ہے۔ البتہ، اگر حکومت کفر بواح کا ارتکاب کرے تو پھر خروج یعنی بغاوت بالکل برحق ہے۔

کتاب کے متعدد ابواب کا موضوع انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت ہے۔ یہ مولانا مفتی محمد شفیع کی تحریر ہے جس میں انھوں نے ووٹ کی تین حیثیتوں، یعنی شہادت، سفارش اور وکالت پر بحث کی ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ووٹ کا صحیح استعمال جس طرح موجب ثواب ہے، اسی طرح نا اہل شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے، بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن اثرات نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

کتاب کے تیسرے، چوتھے، پانچویں، ساتویں اور آٹھویں باب میں مولانا اشرف علی تھانوی کی تحریروں سے ان حصوں کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا تعلق سیاست اور حکومت سے ہے۔ ان تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر کا تعلق ہندوستان کے برطانوی دور سے ہے جن میں سے بعض تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے تناظر میں لکھی گئیں۔ ان حصوں میں علما، دینی طلبہ اور سیاست اور اسلام میں سیاست کی اہمیت، جماعت سازی، سیاسی اختلافات، بھوک ہڑتال، جیل بھرو تحریک، مسئلۂ امامت و امارت اور اس کے شرائط، مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی وجہ، انجمنوں کی ناکامی کے اسباب، غیر مسلموں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ، ''کافروں'' سے معاملات، دارالحرب اور دارالسلام، غیر مسلم حکومت میں رعایا بن کر رہنے کا حکم، ہجرت اور اس کے احکام، حکومت کے قانون کی خلاف ورزی جیسے موضوعات پر بحث کی ہے۔ اکثر جگہوں پر تکرار دکھائی دیتی ہے۔

ان میں سے اہم موضوعات پر مولانا تقی عثمانی نے پہلے ہی حصے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ اسی طرح ان تمام حصوں میں کوئی موضوعاتی یا زمانی ترتیب نہیں ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ سارا مواد مولانا تھانوی کے متفرق فرمودات اور فتاویٰ سے لیا گیا ہے۔ ایک اور کمی جو یہاں محسوس کی گئی ہے، وہ یہ کہ ان فتاویٰ میں تاریخ درج نہیں کی گئی ہے جس سے قاری بحث کو اس کے تاریخی تناظر میں نہیں دیکھ سکتا۔

کتاب کا چھٹا باب مولانا تقی عثمانی کا ووٹ کی اسلامی حیثیت کے بارے میں ایک مضمون ہے جو انھوں نے ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے دنوں میں لکھا تھا۔ اس تحریک میں اس وقت کے نازک حالات کے پیش نظر عوام سے ووٹ کے صحیح استعمال کی اپیل کی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہا گیا کہ ووٹ صرف ایک دنیوی معاملہ نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ شہادت ہے۔ جس طرح کہ مولانا مفتی محمد شفیع نے کہا تھا کہ انتخاب میں نااہل لوگوں کو ووٹ دینا ایک طرف گناہ ہے تو دوسری طرف گناہ کے اس درجے میں ہے جن کے نتائج پوری قوم کو بھگتنے ہوں گے جس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

کتاب کا نواں باب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کی ''عورت کی سربراہی'' کے موضوع پر ایک تحریر ہے جو انھوں نے ایک سائل کے جواب میں لکھی تھی۔ ۱۹۸۸ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے برسراقتدار آنے کے بعد پاکستان میں یہ بحث

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پورے زور وشور سے چلی تھی کہ عورت سربراہ حکومت نہیں ہو سکتی۔ بعض لوگوں نے اس کے خلاف موقف اختیار کیا کہ عورت سربراہ حکومت ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے وہ رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی وغیرہ کی مثالیں پیش کرتے تھے اور مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک فتویٰ کا سہارا بھی لیتے تھے جو انھوں نے انگریزوں کے دور میں والیان ریاست کے بارے میں دیا تھا۔ مولانا لدھیانوی نے اس مضمون میں اپنے موقف سے مولانا تھانوی کے فتویٰ کے بارے میں غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور مختلف دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ مولانا یوسف کا یہ مضمون ایک اور لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں انھوں نے علماے دیوبند کے رائے قائم کرنے کے بارے میں اصول بیان کیے ہیں۔ جن میں سلف صالحین کی تشریحات سے لے کر اجماع امت تک کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کتاب کا آخری حصہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا تحریر کردہ ہے جس میں انھوں نے اسلامی حکومت میں شوریٰ کی حیثیت پر بہت اہم بحث کی ہے۔ یہ حصہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس حصے کو اس کتاب میں کیسے شامل کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے مندرجات کتاب میں بیان کیے گئے سابقہ موقف کی نفی ہیں۔ مقالہ نگار نے شوریٰ کے معنی پر بحث کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موجودہ پارلیمانی جمہوریت کی بنیاد بھی شوریٰ پر مبنی ہے، گویا کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے شخصی حکومت کے تصور کے خلاف اسلام جمہوریت پر مبنی حکومت کا موید ہے۔ اسی طرح مضمون نگار نے کہا ہے کہ یہ بات غلط ہے کہ امیر شوریٰ سے مشورے کا پابند تو ہے، لیکن اس کے ماننے کا پابند نہیں ہے۔ اس طرح تو پھر ایک امیر اور ڈکٹیٹر کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ مضمون نگار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتوں ایک منصب رسالت اور دوسرے منصب امامت پر بحث کرنے کے بعد کہا ہے کہ حضور نے اپنی رائے کے علی الرغم جنگ بدر اور غزوۂ احد میں صحابۂ کرام کے مشوروں پر عمل کیا۔ اسی طرح فاضل مقالہ نگار نے جیش اسامہ اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف اقدام جیسے واقعات کو اپنے اصلی تناظر میں بیان کر کے یہ بات واضح کی ہے کہ اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے۔

کتاب کا ٹائیٹل خوب صورت اور دیدہ زیب ہے۔ طباعت سفید کاغذ پر کی گئی ہے۔ کتاب کی جلد بھی اچھی ہے۔ مرتب کی طرف سے اکابر دیوبند کے خیالات اور نظریات کو جمع کرنے کی اچھی کوشش ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کتاب میں پروف کی بہت غلطیاں ہیں۔ بعض ایسی غلطیاں بھی ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بعض عنوانات میں تکرار ہے۔ مثلاً ووٹر کی شرعی حیثیت اور ووٹ کی اسلامی حیثیت، مذہب اور سیاست اور شریعت و سیاست۔ بعض جگہوں پر عنوانات تک میں فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً فہرست کے صفحہ پر ووٹر کی شرعی حیثیت درج ہے، جبکہ کتاب کے اندر متعلقہ حصے میں انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت درج ہے۔ اسی طرح فہرست میں دیے گئے ۱۱ عنوانات میں سے ۵ کے صفحات نمبر غلط درج کیے گئے ہیں۔ کتاب کے عنوان کے ساتھ لکھا ہے کہ: ''مجموعۂ افادات مولانا اشرف علی تھانوی''۔ اس سے ایک قاری یہ سمجھتا ہے کہ یہ مولانا ہی کی تحریروں پر مشتمل ہوگا، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے اس غلطی کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔ فہرست کے صفحے

میں موضوعات کے ساتھ ان کے مصنفین کا اضافہ ہونا چاہیے۔

بحیثیت مجموعی کتاب کی اشاعت ایک اچھی کوشش ہے۔اس کتاب کی صورت میں اب دین اور سیاست سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لیے دیو بند کے اکابر علما کے نقطۂ نظر پر مشتمل ایک کتاب موجود ہے۔تاہم بہتر ہوگا کہ کتاب کے اگلے ایڈیشن میں مذکورہ بالا خامیوں کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ یہ کوشش کی جائے کہ کتاب کو سیاسیات کے معروف اسلوب میں ڈھالا جائے تاکہ یہ سیاسیات کے طالب علموں کے لیے مزید دلچسپی کا باعث ہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— جاوید

O

مرے عزیز ، یہ انساں کا نشۂ ادراک
وہ زہرِ ناب ہے جس کا نہیں کوئی تریاک

خدا شناس ہو آدم تو مہر و مہ کے لیے
اسی کے نور سے لیتے ہیں روشنی افلاک

ورائے چرخ بھی رہتی تھی جستجو جس کی
ترے گلو میں کہاں اب وہ نالہ بے باک

اسے نہ دیکھ کہ نخچیر تھے مہ و پرویں
اسے بھی دیکھ کہ خالی ہے اب ترا فتراک

ہوا بھی زور دکھاتی ہے رہ گزاروں میں
الجھ رہے ہوں اگر آگ سے خس و خاشاک

ترا یہ حال کہ اندیشۂ خرد بھی جنوں
اُدھر یہ بات کہ اُن کا جنوں بھی ہے چالاک

شب سجود اگر ذوقِ التفات بھی ہے
نگاہ چاہیے اس میں کوئی نگاہ سے پاک

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com